محسوساتِ ماہر

شاعرِ حیات جناب ماہر القادری

کے

کلام کا پہلا مجموعہ

عبدالحق اکاڈمی

شاہراہ عثمانی — حیدرآباد دکن

قیمت دو روپیہ

طبع اول ایکہزار

نوٹ

جس کتاب پر مہتمم یا ناظم "عبدالحق اکاڈیمی" کے قلمی دستخط نہیں ہونگے وہ مسروقہ سمجھی جائے گی۔

دستخط
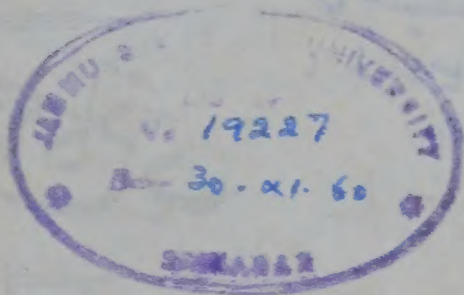
مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

عرض ناشر

عبدالحق اکاڈیمی

اُردو زبان کی اشاعت و ترویج میں جو کوششیں موجودہ صدی کے علمی ادارے کر رہے ہیں یا ان کے شائع کردہ ادب کی وجہ سے اُردو زبان کی جس قدر ترویج ہو رہی ہے۔ اس کی داد نہ دینا یقیناً ظلم ہوگا بیسویں صدی کی ابتداء کیساتھ ہی یہ کام شروع ہوگیا تھا لیکن سب سے زیادہ ترقی اس سلسلہ میں پچھلے بیس پچیس سال کے اندر ہوئی۔ یہی وہ زمانہ ہے جب انجمن ترقی اُردو ہند جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی مساعی نے اُردو زبان کا علمی وقار قایم کیا۔ اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں اُردو میں تصنیف ہوئیں یا کسی دوسری زبان سے منتقل کی گئیں۔ اس طرح اُردو زبان کی طرف لوگوں کی توجہ بڑھ گئی۔ یہ صورت دیکھ کر مختلف چھوٹے بڑے تجارتی ادارے

قائم ہوئے جنہوں نے کثرت کے ساتھ مختلف موضوعات پر کتابوں کا انبار بازار کیلئے مہیا کر دیا۔ افسوس ہے کہ یہ ادارے چونکہ خالص تاجرانہ ذہنیت کے آئینہ دار ہیں اس لئے ان کی مطبوعات میں علمی و ادبی عنصر بڑی حد تک مفقود ہے۔ ہر موضوع پر بازار میں چھوٹی بڑی کتابیں موجود ہیں لیکن ذوق سلیم کی پذیرائی کا سامان ان کتابوں میں اتنا بھی موجود نہیں جتنا کہ ان کے سرورق کی رنگینی آنکھوں کیلئے جاذب نظر ہے۔ اس کا نتیجہ اگر کم ذوق اور کم علم طبقہ میں اُردو سے محبت کی شکل میں نکلا ہو تو تعجب نہیں۔ مگر اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ طبقہ میں جو دنیا کی دوسری زبانوں سے واقف ہے، اور عربی و انگریزی کے جدید ادبیات سے روشناس ہے، ایک قسم کی بددلی پیدا ہو گئی۔ اور ایسا ہونا بالکل فطری تھا۔ وہ جس معیار کا ادب چاہتا ہے، اس معیار کی کتابیں پیش کرنیوالے ادارے ملک میں بہت ہی کم ہیں۔ باقی جو ہیں وہ یا تو اس قدر عریاں تحریریں پیش کرتے ہیں جنھیں پڑھنے کی جرارت گم کردہ راہ کم عمروں کے سوا کوئی سلیم الطبع شخص نہیں کر سکتا۔ یا پھر اس درجہ تشنہ اور طالب علمانہ تحریروں کا نمونہ سامنے آتا ہے جس کی ہر سطر زبان اُردو کے بلند معیار کو پست کرنے کی ارادی کوشش کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔

ان حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک ادارہ علمی (اکاڈیمی) اس مقصد کیساتھ قائم کیا جائے کہ بلند درجہ کا ادب مہیا کرے۔ ہمیں یہ دعویٰ نہیں کہ ہم اس ادارے سے شائع ہونیوالی ہر کتاب کو اس درجہ کی جامعیت کاملیت اور اعلیٰ علمی معیار کی پابندی کیساتھ شائع کرینگے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ ہو۔ لیکن اس خدائے بزرگ و برتر کے کرم پر بھروسہ کرتے ہوئے ہم یہ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ ہماری ہر کتاب چھوٹی ہو یا بڑی ایسی ہوگی جو ذوق سلیم کے لئے بار نہ ہوسکیگی ہماری کتابوں میں آپ ایک نرالی شان ضرور پائیں گے۔ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اسے دیکھنے کے بعد اپنے ذوق کی پذیرائی کا اچھا سامان اس میں مہیا پائے گا۔ اردو ادب سے بددلی اور مایوسی کا جذبہ شوق اور اُمید کی تابناکیوں سے بدل جائیگا۔

غالباً ہمیں یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اس ادارہ کا نام ہم نے "عبدالحق اکاڈیمی" کیوں رکھا ہندوستان کا وہ کون سا شخص ہے جو جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب ال۔ال۔ ڈی۔ معتمد انجمن ترقی اردو (ہند) سے واقف نہیں۔ کون نہیں جانتا کہ مولوی صاحب موصوف ایک مدت دراز سے اپنے جسم کی ساری توانائیاں اور اپنے دماغ کی تمام قوتیں اردو زبان کی خدمت اور اس کی بہبودی کے لئے صرف کر رہے ہیں ہمارا "عبدالحق اکاڈیمی" کے نام سے ادارہ کو موسوم

کرنا مولوی صاحب کی عظیم الشان خدمت کا حقیر اعتراف ہے۔ مولوی صاحب نے اپنی عنایت سے ہمیں اس کی بطور خاص اجازت عطا فرما کر ہمارا دل بڑھایا جس کیلئے ہم دل سے ممنون ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ مولوی صاحب زبان و ادب کی خدمت تا بدیر انجام دیتے رہیں اور خدا کرے انکو اپنے نیک ارادوں میں کامیابی نصیب ہو۔

ہم نے "عبدالحق اکاڈیمی" کی بنیاد اس وقت رکھی ہے جب کہ جنگ کے بادل سے کرۂ زمین پر آگ برس رہی ہے اور زمین اس کی ہیبت سے لرزہ براندام ہو کر خون اگل رہی ہے انسانی تمدن و اجتماع کا دم گھٹ رہا ہے' اور انسانیت اپنے گلے پر تنگ نظر قومیت سے عاجز آکر خود زہر آلود خنجر پھیر رہی ہے بلاشبہ اس وقت ہماری یہ "جرأت رندانہ" ایک قسم کا تہور بیجا ہے، سامان طباعت کی گرانی خصوصًا کاغذ کی کمیابی نے جمے جمائے اداروں پر زندگی کی راہیں بند کر رکھی ہیں۔ ان حالات میں کسی نئے ادارہ کا قایم کرنا اور اس عزم و ارادہ کیساتھ قایم کرنا کہ نفریحی معمولی نہیں بلکہ خاصکر ادب پیش کریگا۔ جرأت آزما ضرور ہے مگر کھویا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔ وقت تو "عبدالحق اکاڈیمی" کیلئے یہی ہے، موقع و سہولتیں اگر مہیا نہ ہوں، تو نہ ہوں، عزم و ارادہ اور عمل مسلسل تو ننھے تنکوں سے پورا آشیانہ تعمیر کرا سکتا ہے۔

محسوساتِ ماہر

آج ہم "عبدالحق اکاڈیمی" سے پہلی کتاب آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ یہ کتاب اردو کے مشہور و مقبول شاعر جناب ماہر القادری کے کلام کا اولین مجموعہ "محسوساتِ ماہر" ہے، اخبارات و رسائل کے صفحات پر جناب ماہر کے محسوسات سے آپ لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔ مگر اب تک کوئی مجموعہ چھپکر شائع نہیں ہوا تھا ہمیں معلوم ہے کہ ملک کے طول و عرض میں ہزاروں ادب نواز اہل علم اخبارات و رسائل کے تراشے جناب ماہر کے کلام کی تلاش میں جمع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اس تلاش و تفحص کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ انکی میزیں اس مجموعۂ کلام سے خالی ہیں۔ آج ہم اُن کے اس ذوق کی پذیرائی کا سامان پیش کر رہے ہیں جس کے بعد انکو تراشے جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اب انکی میزیں اس مجموعہ سے خالی رہ سکیں گی۔

جناب ماہر دورِ حاضر کے ان شعراء میں سے ہیں جنہیں فطرت فیاض نے وہ تمام صلاحتیں عطا فرمادی ہیں جو ایک بلند فکر شاعر کیلئے ضروری ہیں۔ الفاظ کی روانی، ترکیب کی چستی، فکر کی بلندی، زبان کی سلاست اور "مضامین نو" کی بہتات ان کو صف اول میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے

جناب ماہر کے کلام کی ساری خوبیاں ایک ایک کر کے گنانے کی ضرورت نہیں کلام کا مجموعہ آپ کے سامنے ہے مشک آنست کہ خود بیوید نہ کہ عطار گوید۔ آپ اس میں فکر و نظر بھی پائینگے۔ اور علم و حکمت کے موتی بھی۔ آپ کو اس میں جذبات نگاری کے اعلیٰ نمونہ بھی ملیں گے۔ اور منظر نگاری کے بھی، آپ اس میں تغزل بھی پائینگے۔ اور محاکات بھی اس میں جناب ماہر کی وہ نظمیں اور غزلیں بھی شامل ہیں جو محفل شعر و سخن میں بارہا داد تحسین وصول کر چکی ہیں۔ اور وہ بھی جو اخبارات و رسائل کے صفحات کی زینت بن کر اہل نظر کی آنکھوں کو خیرہ کر چکی ہیں۔ کچھ وہ بھی ہیں جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے تھے۔ شاعر کے قلب حساس سے نکلکر یہ موتی اب تک بیاض کے صندوقچہ میں مقفل تھے آج پہلی مرتبہ ہم ان جواہر پاروں کو پیش کر رہے ہیں۔

کلام کی ترتیب خود جناب ماہر نے کی ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کے کلام کا سب سے اچھا مجموعہ اگر مرتب ہو سکتا تھا تو یہی تھا۔ خود شاعر سے زیادہ اپنے کلام کے صحیح مقام اور اس کی ترتیب کو کون سمجھ سکتا ہے۔

جس طرح محسوسات ماہر کی شکل میں ہم نظموں کی ایک بیش بہا کتاب پیش کر رہے ہیں۔ عبدالحق اکاڈیمی کی دوسری کتاب نشاۃ اللہ اسی طرح نثر کی بہترین کتاب ہوگی جس کے بارے میں ہم اس وقت اس سے

زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتے کہ جس وقت کتاب چھپ کر سامنے آجائیگی
اس وقت آپ ہمارے اس دعوے کی تصدیق فرمانے پر اپنے آپ
کو مجبور پائیں گے۔ اگر وہ جس کی توانا انگلیوں میں کائنات کے تمام
افعال و اعمال میں کام کرنے والی طاقت ہے تو آپ دیکھیں گے کہ
"عبدالحق اکاڈیمی" اس ناساعد زمانہ اور ناموافق حالات میں بھی اردو
زبان و ادب کی کس قدر عظیم الشان خدمت انجام دے گی۔

وھو المستعان

علی شبر حاتمی ناظم   محمد اقبال سلیم گاہندری مہتمم

بی۔ یس۔ سی۔
(عثمانیہ)

عبدالحق اکاڈیمی۔ شاہراہ عثمانی۔
حیدرآباد دکن

فہرس

غزلیات

فرضِ والین

ارے! یہ کس کی تجلّی نے کر دیا مدہوش
نگاہ محوِ تحیّر، زبان ہے خاموش
فرازِ عرش سے آئے وہ میکدہ بردوش
چھلک پڑے نہ ستارے دل ہی بادۂ سرجوش
صفات و ذات میں ہے ربطِ عکس و آئینہ
ازل سے حسن و محبت رہے ہیں دوش بدوش

حرم کی راہ سے گذرا ہے قافلہ دل کا
وہاں بھی عالمِ حیرت، وہی فضائے خموش
مشاہدہ بھی تجلّی سے خاک ہو جاتا
بھلا ہوا وہ نگاہوں سے ہو گئے روپوش
کہا جو دل نے مرے "لا الٰہ الا اللہ"
کسی کے جلوۂ رحمت نے کھول دی آغوش

ذِکرِ جمیل

کیف و سرمستی کا اک پیغام رنگیں تیرا نام
انبساطِ رُوح کی دعوت ترا ذکرِ جمیل

لحنِ داؤدی کی ہر لے تیرے نغمہ کی شہید
ہر ادائے حُسنِ یوسفؑ تیرے ابرو کی قتیل

تیرے گیسو حالِ ناموسِ اسحاقؑ و ذبیح
تیرے عارض باعثِ رنگینیٔ باغِ خلیلؑ

سب کی تیری چشمۂ رحمت ہی سے بجھتی ہے پیاس
اس میں قلزم ہو کہ دجلہ، رودِ گنگا ہو کہ نیل

خاک میں تو نے ملا دی سطوتِ لات و ہبل
تیرا مرہونِ نوازش کعبۂ ربِّ جلیل

اے تعالی اللہ ترے دربار کے ادنیٰ غلام
جن کے آگے قیصر و کسریٰ گدایانِ ذلیل
تیری عظمت کی گواہی کفر کی گردن کا خم
رفعتِ اسلام ہے تیری نبوت کی دلیل
اک طرف یہ شان و شوکت اک طرف تیری غذا
پارۂ نانِ جویں وہ بھی بہ مقدارِ قلیل
ساقیٔ کوثر تیری دریا دلی کا ہو بھلا
نظمِ ماہرؔ بن گئی آبِ روانِ سلسبیل
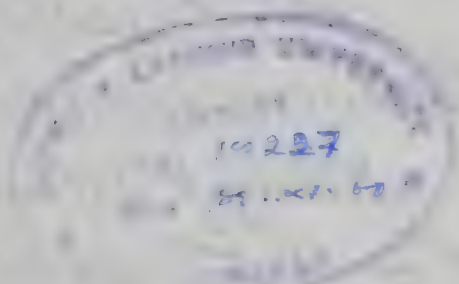
گنگا کے کنارے

فردوس میں بیٹھا ہوں کہ گنگا کے کنارے
بھرتی ہیں نگاہیں جو ترارے پہ ترارے
پتھر کے ہیں ریزے کہ چمکتے ہوئے جگنو
ہیں ریت کے ذرے کہ دمکتے ہوئے تارے
یہ تابشِ مہ اور یہ موجوں کا تصادم
پانی سے نکلتے ہوئے بجلی کے شرارے
وہ منحنی اجسام کہ کہیے جنھیں حشرات
لیتے ہوئے انگڑائیاں کائی کے سہارے
پانی میں حبابوں کا یہ رہ رہ کے اُبھرنا
جیسے پسِ چلمن کوئی کرتا ہے اشارے

گرداب کے ہیں پیچ کہ فانوس کے شعلے
دریا کی یہ موجیں ہیں کہ انوار کے دھارے
یہ چاندنی رات اور یہ لہروں کی کشاکش
آئینہ پہ چلتے ہوئے بلّور کے آرے
نکھرے ہوئے ساحل پہ یہ بگلوں کی قطاریں
حوروں کے پرے جیسے ہوں کوثر کے کنارے
ہر موج اُلٹتی ہوئی انوار کے پردے
اب آنکھ تو کیا رُوح پہ واجب ہیں نظارے
گنگا ست کہ سرمایۂ صد حسن بہارے
رعنائی بہ ہر منظر و نزہت بکنارے

نوجوان بیوہ

زُلف بے ترتیب کپڑے میلے چہرہ اُداس
ایک پژمردہ تمنا، ایک غم انجام آس
پھول سے رُخسار کی سُرخی میں زردی کی جھلک
ہونٹ کمھلائے ہوئے سی شبنم آلودہ پلک
ناخنوں کی کور پر مہندی کے دھندلے سے نشاں
ہاتھ کہتے ہیں ابھی توڑی گئی ہیں چوڑیاں
ہر طرف سے ہے دوپٹہ کی کناری تار تار
چھن چکی ہیں بجلیاں کانوں کی اور گردن کا ہار
پائنچوں کی بیل پر شکنوں کا عالم ہائے! ہائے
یہ جوانی اور یہ فریاد و ماتم ہائے! ہائے

اس قدر ویراں نگاہیں، اس قدر حالت تباہ
جیسے دنیا میں نہیں اس کیلئے کوئی پناہ
روح بھی غلطاں ہے اس کے دیدۂ خوںبار میں
دل کی دھڑکن بھی ہے شامل نبض کی رفتار میں
اک خزاں دیدہ کلی کی طرح مرجھائی ہوئی
سر سے پا تک بیوگی ہی بیوگی چھائی ہوئی
ایک غم کی رات جس کی صبح ہو سکتی نہیں
اک کلی جو اوس سے بھی منہ کو دھو سکتی نہیں
اک بھیانک خواب جس کی خودکشی تعبیر ہے
ایک انساں جو غم و اندوہ کی تصویر ہے
اک جواں اُمید جو سینہ میں گھٹ کر رہ گئی
اک سہاگن اپنے جو ساجن سے چھٹ کر رہ گئی

اک چمن جس پر بہار آتے ہی بجلی گر پڑی
اک مسلسل مرگ، اک پیہم قیامت کی گھڑی

ایک دکھیاری نہیں جس کا کوئی بجز بیکسی
ایک کہرے کی سحر جس میں نہیں تابندگی

ایک حسرت جو ابھرنے بھی نہ پائی تھی ابھی
زندگی جس کے لئے پیغام لائی تھی ابھی

ایک نغمہ جو ابھی پوری طرح گونجا نہیں
ایک عورت جس نے دنیا کو ابھی برتا نہیں

ایک شمع آرزو جلتے ہی جو گل ہو گئی
اک صدا جو دل سے اٹھی اور دل میں کھو گئی

ایک نورس پھول جو وقت سحر کمھلا گیا
اک جوانی جس پہ دو دن میں بڑھاپا آگیا

جانتا ہوں تیرے مستقبل کے پیچ و خم کو میں
فطرتِ گیتی مزاجِ ہستیٔ عالم کو میں
مسکراہٹ بھی تری دنیا کو ہوگی ناگوار
شک میں ڈالیگا جہاں کو تیری آنکھوں کا خمار
تجھ سے بیاہی عورتیں ملتے ہوئے کترائیں گی
دور رہ کر تجھ سے ساون کی ملہاریں گائیں گی
تیری پرچھائیں سے دلھن کو بچایا جائے گا
تجھ کو ہر تقریب میں نیچا دکھایا جائے گا
تیرے ہنسنے پر اٹھیں گی عورتوں کی انگلیاں
گھور کر دیکھیں گی تجھ کو بن بیاہی لڑکیاں
تیری امیدوں سے لیگی فطرتِ ہستی خراج
تجھ کو ٹھکرائے گا اک اک گام پر ظالم سماج
آرزوؤں پر تری پہرے بٹھائے جائینگے

رنج وغم کے تجھ کو افسانے سنائے جائینگے
دہر میں اب کوئی گنجائش نہیں تیرے لئے
یہ جہاں اور اس کی آسائش نہیں تیرے لئے

خیال

نظارہ چاہتا ہے لچک دست ناز کی
ہے ناگوار جنبشِ مینا ترے بغیر
جانِ حیات! تیری معیت ہے زندگی
کرتا ہے کون زیست کا دعوا ترے بغیر

حسنِ رہگزر

کل شام سرِ راہِ گلستاں نظر آئی

وہ جس کے تبسم میں فروغِ گل و لالہ

وہ حسن کا پندار وہ رفتار کی شوخی

ٹھکرا کے گذر جائے محبت کا شوالہ

رفتار کی مستی کا وہ چلتا ہوا جادو

ہر بار چھلکتا تھا جوانی کا پیالہ

وہ شام چمن اور وہ مستانہ ہوائیں

اور اس کا وہ ڈھلکا ہوا زریں دوشالہ

میں نے بڑی مشکل ہی سے اپنے کو سنبھالا

تاروں کے کٹورے بھی جو دیکھیں تو چھلک جائیں
اس شان سے ماتھے پہ جھلکتا تھا پسینہ
بے چین تھا پارے کی بھی فطرت سے زیادہ
طوفان جوانی میں اداؤں کا سفینہ
اُس پھول سے چہرے پہ نگاہوں کی وہ یورش
ہر گام پہ اُس کا وہ دھڑکتا ہوا سینہ
وہ لب متبسم تھے بصد شوخی و انداز
کلیوں کو سکھا دیں جو تبسم کا قرینہ
میں بیخود و سرشار تھا لیے ساغر و مینا
افسانوں کے خاکے تھے ہتھیلی کی لکیریں
اشعار کا موضوع تھیں بدمست ادائیں
رُخسار میں انداز بنارس کی سحر کا
گیسو میں مچلتی ہوئیں ساون کی گھٹائیں

اُس شوخ کا غنچوں سے یہہ کہتا تھا تبسم
آؤ تمھیں برسات کا اک گیت سنائیں
ہیں نقش مرے دل پہ وہ معصوم جفائیں
ہر ذرہ کو مدہوش بناتی ہوئی گذری
آنکھوں کے پیالوں سے پلاتی ہوتی گذری
وہ حُسن وہ انداز، وہ شوخی وہ لگاوٹ
رفتار سے اک حشر اٹھاتی ہوئی گزری
جو شعر کہ منت کش الفاظ نہیں ہے
وہ شعر نگاہوں سے سناتی ہوئی گزری

فکر و عمل

عمل کا نام ہے ناداں! فروغِ مستقبل
الٹ دے پردۂ تقدیر سوچتا کیا ہے

یہ حادثات کی دنیا یہ کارزارِ حیات
عمل کے جذبۂ سرگرم کے سوا کیا ہے

نظر کو پست نہ کر، عشق کو ہوس نہ بنا
چمن میں لالہ و گل کے سوا دھرا کیا ہے

خدا جمود کی ہرگز مدد نہیں کرتا
ترے لبوں پہ یہ ہنگامۂ دعا کیا ہے

ہے اک گناہ غلاموں کی پارسائی بھی
تجھے خبر ہے کہ فطرت کا مقتضا کیا ہے

تجھے تو خاک کے ذروں سے کام لینا ہی
فلک کے چاند ستاروں کو دیکھتا کیا ہی
کہیں خیال سے ہوتی ہے منقلب دُنیا
تو کس خیال میں ہے؛ یہ تجھے ہوا کیا ہی
تجھے تو عشق کے طوفاں میں کود پڑنا ہے
نہ سوچ یہہ کہ محبت کی انتہا کیا ہی
بہ فیضِ حضرت رومیؒ سفالِ ماہریں
فروغِ بادۂ اقبالؔ کے سوا کیا ہے

پیام

جینے کا قصد ہی تو سکوں کی نہ کر تلاش
یہہ زندگی حوادثِ پیہم کا نام ہی

وہ حُریت کہ جس میں نہ آزاد ہو ضمیر
اُس حُریت کو دور سے میرا سلام ہی

مانا کہ عرش سدرہ و طوبیٰ سے ہی بلند
مومن کا اس فضا سے بھی اونچا مقام ہی

میری نظر میں قدر نہیں اُس نگاہ کی
تہذیب[1] جس نگاہ میں ماہِ تمام ہی

[1] غیر اسلامی تہذیب

اُس زندگی کا آئینہ پتھر سے توڑ دو
جس زندگی کا عیش دو روزہ مقام ہے
جس زہد میں ہو خوئے غلامی کا رنگ و بُو
اُس پر ہوائے گلشنِ جنت حرام ہے
خود حُسن کی نمود کو اُلفت کی ہے تلاش
یہہ کس نے کہہ دیا کہ محبت غلام ہے
اوجِ براگمہ ہو کہ فترہ امطہ
عشرت کی زندگی صفتِ دورِ جام ہے
اسٹیج پر جہاں کے مناظر ہیں مختلف
یہہ نینوا کی صُبح وہ بابل کی شام ہے
نظریں بلند ہوں تو زمیں بھی ہے آسماں
سمعِ قبول ہو تو خموشی پیام ہے

ہٹلر کا اعلان

اور

شاعر کا جواب

زندگی کا لطف ہے شانہ بشانہ مو بمو
درسِ امن و آشتی ہے صرف دیوانہ کی ہو
دوسروں کے لطف و رحمت پر ہے جن کو اعتماد
میں بہا دیتا ہوں اُن کمزور قوموں کا لہو
دعوئے اخلاق ہو یا ہو سیاست کا فریب
جانتا ہوں سب کو میں نکتہ بہ نکتہ مو بہ مو

ہڈیوں کے فرش پر ہوتی ہی سطوت کی نماز
"آمریت" خونِ انسانی سے کرتی ہی وضو

میری محفل گرم رہتی ہے لہو اور آگ سے
توڑ ڈالے میں نے اک مدت ہوئی جام و سبو

میرے ایوانوں کی زینت گیس اور بارود سے
رقص خانوں میں ملیں گے شاہدانِ خوبرو

پھول کا دیتا ہوں میں دنیا کو پتھر سے جواب
توپ کے منہ سے کیا کرتا ہوں اکثر گفتگو

تیرے سینہ میں سمو دوں گا تباہی کے شرار
اے نسیم[علہ] باغ عشرت دیکھ تو مجھکو نہ چھو

آرزوؤں نے مری توڑا طلسم بحر و بر
ایسے نازک دور میں دجلہ بہ دجلہ جو بجو

علہ فرانس

نالۂ مظلوم، آہِ بیوہ، فریادِ یتیم
میری محفل کے یہی ہیں مطربانِ خوش گلو

خونِ انسانی کی ارزانی ہوا تھی دہر میں
بچھ سکے جس پر میری نخوت کا تختِ آرزو

جانتا ہوں میں زمانہ کا مزاجِ گرم و سرد
دے نہیں سکتا مجھے کوئی فریبِ رنگ و بُو

دام ہم رنگِ زمیں تھا آشیانہ کے قریب
آگیا دھوکے میں آخر ایک مُرغِ قبلہ رُو [۱]

اہرمن کی بزم میں تھی مُردنی چھائی ہوئی
ولولوں نے میرے گرمایا ہے شیطاں کا لہو

---

[۱] ترکی۔

شاعر کا جواب

نخوت بھرے اٹھان سے تیری مجھے ہے ڈر
تو اپنے جوش ہی میں زمیں پر نہ گر پڑے
فرصت ملے تو دل پہ کبھی ہاتھ رکھکے سوچ
برلن کو وارسا[۳۲] کا مقدر اگر ملے
پولینڈ کے تڑپتے ہوئے دل کی دھڑکنیں
اے کاش! تو ضمیر کے کانوں سے سن سکے
شاید ترے ضمیر کو ہوگا نہ یہ پسند
تاریخ تجھ کو جابر و ظالم اگر لکھے
تعمیر دہر میں نہیں ہوتی ہے آگ سے
آتش فشانیوں میں اکارت نہ کر نشے

۳۲؎ یہ نظم پولینڈ کی تباہی کے بعد کہی گئی۔

ظالم کا جبر و ظلم تو کاغذ کی ناؤ ہے
انجام کار ہوتی ہے مظلومیت کی جے
ان فتحمندیوں پہ نہ اترا، مآل سوچ
قدرت کا انتقام بڑا خوفناک ہے
نمرود کی خدائی باطل کا واسطہ
اچھا نہیں ہے کبر کی آنی بڑھا نہ لے
میں ہوں غلام ملک کا شاعر نہ اس پہ جا
ہندی ہے میرا جام، حجازی ہے اسکی مے
کم کن زکبر و ناز کہ دید است روزگار
چینِ قبائے قیصر و طرفِ کلاہِ کے (حافظ رح)

مُصطفیٰ کمال

تیرے شکوہ کی قسم بیٹھی ہوئی ہے تیری دھاک
ساحلِ بحرِ ہند سے درۂ دانیال تک
تیرا ضمیر آئینہ، تیری نظر میں ہر محاذ
سمت جنوب و غرب سے زاویۂ شمال تک

تو مریدِ خالدؓ و کرارؓ ہے
تیرا نغمہ تیغ کی جھنکار ہے
تیرے قرباں تو نے سمجھایا یہ راز
تیری فطرت کس قدر بیدار ہے
"گرچہ بحرِ عاشقی ذخار ہے"
"ڈوبنے والے کا بیڑا پار ہے"

صدقے تری جرأت کے سمجھایا زمانہ کو
تلوار کے سایہ میں رازِ مے و میخانہ

جس مے کی حلاوت نے ترکی کو کیا زندہ
اُس مے کا ادھر بھی دے ساقی کوئی پیمانہ

سطوت کا تری نغمہ توپوں کے دہانوں پر
آزادیٔ کامل ہے شاید ترا افسانہ

تو مردِ مجاہد ہے تو غازیٔ ملت ہے
بھاری ہے زمانہ پر اک عشوہ ترکانہ

سُناتی ہیں صلیبوں کی زبانیں — تری وحدت پرستی کا فسانہ
تعالی اللہ تری شانِ جلالت — لرزتا ہے شکوہِ کافرانہ
ترا ہر کارنامہ غیر فانی — بدل دی تو نے تاریخِ زمانہ
غلاموں کی نمازوں سے مقدس — ترا سجدہ بطرزِ غازیانہ

کیا تیرے تدبّر نے وہاں ہر مرحلہ آساں
جہاں پہ بر پُھول کے بدلے ملا کرتے ہیں انگارے
تری سطوت کے آگے لرزہ براندام رہتی ہیں
وہ چرخِ مغربیت کے ثوابت ہوں کہ سیارے

تو نے بتایا ساری جہاں کو
اک مردِ غازی دنیا پہ بھاری
طاقت کے آگے جھکتی ہے سطوت
بیکار ہیں سب فریاد وزاری
مردانِ کاہل، یارانِ سادہ
کرتے ہیں شب کو اختر شماری
غازی کی راتیں مقتل کی صبحیں
ہر سانس گویا اک سعی جاری

خدا کے فضل سے ہیں ہر قدم پر راہبر تیرے
صلاح الدین، طارق، غزنوی، دانائے افغانی

تری سیرت کے ہر رُخ سے نمایاں ہے یہ افسانہ
کرن کی جراءتِ فاتح، سحر کی چاک دامانی

بہ یک ساعت تری، دنیائے دل میں کارفرما ہیں
سوادِ شامِ انگورہ، فضائے صبحِ فارانی

اللہ اللہ! گرمیٔ رفتارِ تو | نبضِ جادہ می تپد وقتِ خرام
صبحِ تو، صبحِ جہانِ بے ثبات | شامِ تو یک منظرِ نورِ دوام

اُندلس کی سرزمیں تری آمد کی منتظر
طارق کا عزم تیرے ارادے کا ہے خمیر
تو مصطفےٰ کمال ہے اور تیرے سامنے
ناکامیاب سازشِ ہر مصطفےٰ اصغیر

طوائف

اے زنِ ناپاک فطرت پیکرِ مکر و ریا
دُشمنِ مہر و وفا غارت گرِ شرم وحیا
تیری ہر شوخی لچر ہے، تیرا ہر انداز پوچ
سخت تر ہے سنگ و آہن سے تری باہوں کا لوچ
تیرا ظاہر خوشنما ہے، تیرا باطن ہے سیاہ
ہر ادا تیری مکمل دعوتِ جرم و گناہ
تیری جھنکی کی صدا ہے یا کہ شیطاں کا خروش
رحم کر انسانیت پر او بُتِ عصمت فروش

الاماں اے تیرے مصنوعی تبسم کا فریب
تھرتھرا اٹھتی ہے جس کے زور سے نبضِ شکیب

یہ نزاکت کی نمایش یہ فریب آمیز چال
دوشِ ہستی پر تری ناپاک ہستی ہے وبال

تیرے ہر غمزے کی تہہ میں ہے بناوٹ کا شکوہ
جس کے آگے سر بسجدہ معصیت کے دشت و کوہ

تیرا چہرہ ارغوانی، تیرا دل بے آب و رنگ
زندگی کیا ہے تری قانون سے فطرت کے جنگ

تیری پیشانی کا ہر خط معصیت آلودہ ہے
تیرا ہر اقدام نا فرجام ہے بے ہودہ ہے
تیرے ہونٹوں پر ہنسی ہے دل ترا افسردہ ہے
تو بظاہر جی رہی ہے روح تیری مردہ ہے
تو حصولِ زر کی خاطر، کس قدر بے چین ہے

کسبِ دولت زندگی کا تیری نصب العین ہی
تیرے مذہب میں حفاظت آبرو کی ہی گُناہ
مانگتی ہے تیری باتوں سے نسائیت پناہ
تیرا دل ہے زنگ آلودہ مگر چہرہ ہے صاف
تیرے ظاہر اور باطن میں ہی کتنا اختلاف
جانتی ہے اپنی رسوائی کو تو وجہ نمود
صنف نازک کی کھلی توہین ہی تیرا وجود
تیری بیداری نہیں ہے اک مسلسل خواب ہے
کیا تو واقف ہے کہ عصمت گوہر نایاب ہے
جانتا ہوں تیری باہوں کی لچک کو بدشعار
کیوں دکھاتی ہے جڑاؤ کنگنوں کو بار بار
میری نظروں کو خدارا دعوت کاوش نہ دی
جگمگاتے موتیوں کے ہار کو جنبش نہ دی

ریشمیں رومال سے ہونٹوں کی سُرخی کو نہ چھو
مجھ پہ چل سکتا نہیں تیرا فریب رنگ و بُو
زلف مشکیں کو حنائی انگلیوں سے مت سنبھال
کھُل چکا ہے میری نظروں پر ترا رازِ جمال
ریشمیں ساری کو سر سے خود ہی ڈھلکاتی بھی ہے
بالارادہ بےحیائی کرکے شرماتی بھی ہے
سسکیاں بھرتی ہے تو، انگڑائیاں لیتی ہے تو
اُف ری مکارہ! بھری محفل کو جُل دیتی ہے تو
کوئی ہو جاتا ہے جب تیرے تصنع کا شکار
چپکے چپکے کام کرتا ہے فریب آمیز پیار
تو دلا دیتی ہے اُس کو اپنی الفت کا یقیں
سچ تو یہ ہے تیرے کاٹے کا کوئی منتر نہیں
زندگی کو اُس کی یکسر تلخ کر دیتی ہے تو

کانپ جاتا ہے جگر وہ چٹکیاں لیتی ہے تو

بھاگتا ہے کوئی جیسے سانپ کی پھنکار سے

دُور رہنا چاہیئے یوں ہی ترے کردار سے

مسلمان لڑکی سے!

اے تو کہ ہے اخلاق کے پھولوں کا خزانہ
دنیا بڑی پر پیچ ہے نازک ہے زمانہ
سورج کی کرن تیرے تقدس کی ہی شاہد
کلیوں کی زباں پر تری عصمت کا فسانہ
نغمہ بہ ہزانداز ہے برہم کن جذبات
بربط کی صدا ہو کہ پیانو کا ترانہ
تہذیب گناہوں کے دوراہے پہ کھڑی ہے
تعلیم فقط مکر ہے، اصلاح بہانہ

کاغذ کے ہیں یہ پھول نہ خوشبو نہ طراوت
افرنگ کی تہذیب کے دھوکے میں نہ آنا
آتے ہیں تری سمت بھڑکتے ہوئے شعلے
شعلوں سے ذرا دامن تقدیس بچانا
اسلام کو اب تک ترے کردار پہ ہی ناز
جذبات کو اخلاق کا پابند بنانا

تیرے بغیر

آکہ دل اب زیست سے بیزار ہے تیرے بغیر
ہر نفس چلتی ہوئی تلوار ہے تیرے بغیر
یہ سہانی رات اور تجھ سے جدائی ہائے! ہائے
ہر شکن بستر کی نوک خار ہے تیرے بغیر
رازِ الفت وائے مجبوری ہوا جاتا ہے فاش
حالِ دل شرمندۂ اظہار ہے تیرے بغیر

اب کہاں وہ کیف کی راتیں وہ دلچسپی کے دن
زندگی اک مستقل آزار ہے تیرے بغیر

غیر تو ہیں غیر اپنے بھی پرائے ہو گئے
ساری دنیا بر سرِ آزار ہے تیرے بغیر

چشمِ نرگس تک ہی کچھ محدود بیتابی نہیں
گلستاں کا گلستاں بیمار ہے تیرے بغیر

صبح کے آغوش میں نورس شگوفوں کی چٹک
طبعِ افسردہ پہ کتنی بار ہے تیرے بغیر

آکہ زہد و معصیت کی محفلیں ویران ہیں
رونقِ دنیا و دیں بیکار ہے تیرے بغیر

ڈھونڈتا ہے پھر کسی موضوعِ رنگیں کو خیال
فکرِ ماھر تشنۂ اشعار ہے تیرے بغیر

سلام!

خط کے جواب میں

تمہیں حرم کی فضائیں سلام کہتی ہیں
صنم کدوں کی ہوائیں سلام کہتی ہیں

بہارِ حُسنِ عقیدت کے بھیجتی ہے پھُول
چمن کی مست گھٹائیں سلام کہتی ہیں

دبی زباں سے کلیوں کے لب پہ ہے آداب
گُلوں کی تنگ قبائیں سلام کہتی ہیں

درِ قبول سے ٹھکرا دیا گیا جن کو
وہ بدنصیب دعائیں سلام کہتی ہیں

جو ہیں تصورِ سود و زیاں سے بے پروا
وہ بے نیاز وفائیں سلام کہتی ہیں

تمہاری بزم میں بھی جو سکون پا نہ سکیں
وہ بیقرار نگاہیں سلام کہتی ہیں
جو رہ گئیں تھیں تمہاری طرف ذرا اٹھ کر
بصد نیاز وہ باہیں سلام کہتی ہیں
جو ہو سکے تو اُسی طرح مُسکرا دینا
کسی غریب کی آہیں سلام کہتی ہیں

پیام!

مجھے یہ ڈر ہے کہیں راز آشکار نہ ہو
خدا کے واسطے اس درجہ بیقرار نہ ہو
خدا بچائے جدائی کی سخت گھڑیوں سے
تری طرح کوئی مجبور انتظار نہ ہو
زمانہ ٹوہ میں رہتا ہے ایسی باتوں کی
خدا کرے کہ ترا کوئی راز دار نہ ہو

ترے جواب کو پڑھ کر ضمیر کانپ اٹھا
ملول ہجر نہ بن اور اشکبار نہ ہو
جسے سنا تھا کسی نشر گاہ سے تو نے
مرے دُکھے ہوئے دل کی کہیں پکار نہ ہو
محبت ایک مقدس خلش ہے فطرت کی
اسی خلش سے نہ کیوں ابتدائے کار کریں
دکھا کے عشق کی پاکیزگی کا اک منظر
ہوس پرست زمانہ کو شرمسار کریں
رہیں شگفتہ ہماری مسرتوں کے پھول
خزاں بھی آئے تو نظارۂ بہار کریں
نگاہ جس طرح پھولوں کو چوم لیتی ہے
اسی طرح سے ہم اک دوسرے کو پیار کریں

والدِ مرحُوم کی قبر پر

جھٹ پٹے کا وقت گورستان کا منظر اُداس
بیکسی، افسردگی، ویرانیاں، خوف و ہراس
نیم کے کچھ خشک پتے جا بجا بکھرے ہوئے
قبر کے ٹوٹے ہوئے تختے کہیں نکلے ہوئے
خاک کے کچھ ڈھیر، کچھ بیٹھی ہوئی قبروں کے غار
منتشر ڈھیلوں کی پگ ڈنڈی پہ چیونٹوں کی قطار
بکریوں کے گھاس چرنے کے نشاں اُبھرے ہوئے
پائمالی کے فسانے خاک پر لکھے ہوئے
ٹھیکرے، ٹوٹی ہوئی اینٹیں، خزاں دیدہ درخت
ٹہنیوں کی جنبشیں دیتی ہیں آوازِ کرخت

کوئی کتبہ ہے نہ کوئی امتیازی ہی نشاں
ایک دنیا خاک میں گمنامیوں کی ہے نہاں
موت کی پرچھائیاں ہیں اور سواد شام ہے
خاک کے کچھ ڈھیر ہیں باقی خدا کا نام ہے
دیکھ کر اک قبر کو آنکھوں میں آنسو آ گئے
جسم میں لرزہ ہوا پیدا، قدم تھرا گئے
سامنے آنکھوں کے اک غمخوار صورت آ گئی
قبر کے اوپر محبت ہی محبت چھا گئی
میں کہ آزردہ بہت ہوں کلفتوں کے جال سے
داستان دل سنا ڈالی زبان حال سے
جس کی خاطر آپ کے تھے دیدہ و دل فرش راہ
آج اس بیکس کی اس دنیا میں حالت ہے تباہ
آپ لکھتے تھے جسے نور نظر جان پدر

آج اس کی تنگ حالی سے ہے دنیا بے خبر
جس کی ادنیٰ سی اذیت آپ کو تھی ناگوار
آج اُس بدبخت کا ناگفتنی ہے حال زار
جس کی راحت کے لئے صدمے اٹھائے آپنے
جس کو سونے کے نوالے تک کھلائے آپنے
آپ کے دل کی خلش تھی جس کے تلوے کی خراش
آج اُس کا شیشۂ دل ہے غموں سے پاش پاش
آپ کو ہاں! آپ کو جس کی جدائی شاق تھی
آج وہ ہے اور ہیہم ٹھوکریں پردیس کی
آپ کی لخت جگر یعنی میری بیوہ بہن
سی رہی ہے غم کے ہاتھوں آپ ہی اپنا کفن
آپڑا ہے اس کے نازک دوش پر کنبہ کا بار
آپ کا مسرور[1] ہے جور و مصیبت کا شکار

[1] میرے چھوٹے بھائی کا نام

دیکھتے ہی دیکھتے سر پہ مصیبت آگئی
آپ کیا رخصت ہوئے، ہم پر قیامت آگئی

وہ مری ضدی طبیعت، وہ مرا نازک مزاج
آپ کی وہ درگزر کرنے کی عادت ہائے ہائے!

وہ طریقے خاص میری تربیت کے واسطے
باتوں باتوں میں وہ انداز نصیحت ہائے ہائے

وہ مرے ہنستے ہوئے چہرے پہ نظریں پیار کی
اور وہ دانستہ اخفائے محبت ہائے ہائے

دوسروں کے سامنے میری ذہانت کا بیاں
اور میرے سامنے میری شکایت ہائے ہائے!

ایک جانِ ناتواں اور غم کی یورش حیف! حیف
ایک نازک دل پہ اور بارِ مصیبت ہائے ہائے!

اہلِ دولت صاحبانِ ذوق اربابِ کرم

اُن کے الطاف و نوازش کی حقیقت ہائے ہا

ہر طرف غم کی فضا ہی دیس یا پردیس ہو
چھین لی ماہرؔ سے دنیا نے مسرت ہائے ہا

آپ کا مسکن ہے جس جا آپ رہتی ہیں جہاں
کیا وہاں پر بھی ہے کوئی خطۂ ہندوستان
کیا وہاں بھی کوڑیوں کے مول بکتا ہی کمال
کیا وہاں بھی ہو چکا ہے آدمیت کا زوال
کیا وہاں بھی ہے اسی صورت غلامی کو فروغ
کیا وہاں بھی کام کرتا ہے سیاست کا دروغ
کیا ہوا کرتا ہے واں بھی فرقہ وارانہ فساد
کیا وہاں کے لوگ کہتے ہیں "! غلامی زندہ باد"
کیا وہاں بھی سیم و زر کے سامنے جھکتے ہیں سر
کیا وہاں بھی آگ سے تنکے نہیں کرتے حذر

کیا وہاں فاقہ کشی کا نام ہے عیش و فراغ
جل رہا ہے کیا وہاں بھی اہل دولت کا چراغ
کیا لکھا کرتے ہیں واں تعویذ میں "والتین" کو
کیا وہاں کے مولوی بھی بیچتے ہیں دین کو
کیا وہاں نیچی عباؤں پر ہے تقوے کا مدار
کیا وہاں بھی ڈاڑھیاں کرتی ہیں انساں کا شکار
جس طرح ممکن ہو اس گتھی کو سلجھا دیجئے
اس دلِ بے تاب کی تسکین فرما دیجئے

وہ راتیں یاد آتی ہیں

وہ راتیں جو کہ تھیں موضوع الفت کی کہانی کا
وہ راتیں جن پہ سایہ تھا نشاط و شادمانی کا
وہ راتیں جن پہ دھوکا تھا حسینوں کی جوانی کا
وہ راتیں جن کو کہہ سکتے ہیں حاصل زندگانی کا

وہ راتیں یاد آتی ہیں۔ وہ راتیں یاد آتی ہیں

وہ راتیں جن کو میرے شوق بیحد نے اُبھارا تھا
وہ راتیں جن میں اُن کا جورِ پنہاں بھی گوارا تھا
وہ راتیں جن کے پیچ و خم میں اُمیدوں کا دھارا تھا
وہ راتیں جن کو اُن کی مسکراہٹ نے سنوارا تھا

وہ راتیں یاد آتی ہیں۔ وہ راتیں یاد آتی ہیں

وہ کچھ بے تابیاں سی جلوہ گر، زلف پریشاں پر
کہ جو بھاری ہیں میری سیکڑوں شب ہائے ہجراں پر
نوازش ہائے بے پایاں میری دنیائے ویراں پر
وہ اُن کا مسکرا کر جھومنا "صبح بہاراں"[1] پر

وہ راتیں یاد آتی ہیں، وہ راتیں یاد آتی ہیں

ہوا پھولوں کو چھو کر آ رہی تھی مرغزاروں سے
وہ اُن کی تابشِ عارض کا ٹکرانا ستاروں سے
وہ اُن کا گنگنا کر کھیلنا پھولوں کے ہاروں سے
وہ میرے شعر پر تنقید فرمانا اشاروں سے

وہ راتیں یاد آتی ہیں. وہ راتیں یاد آتی ہیں

ہوائیں سنسناتی تھیں، ستارے جگمگاتے تھے
وہ پیہم گنگناتے تھے مسلسل مسکراتے تھے

[1] میری نظم کا عنوان۔

وہ مجھ کو مست مست آنکھوں سے پیمانے پلاتے تھے
نگاہوں کو مری آداب مینوشی سکھاتے تھے
وہ راتیں یاد آتی ہیں۔ وہ راتیں یاد آتی ہیں

رخصت ہوتے ہوئے

مقدر کی شکایت کر رہے ہیں
وہ کس حسرت سے رخصت کر رہے ہیں
کبھی ہنس کر، کبھی آنسو بہا کر
وہ پیمانِ محبت کر رہے ہیں
تبسم، نغمہ، غمخواری، تسلّی
عنایت پر عنایت کر رہے ہیں
وہ غم جس کی کوئی قیمت نہیں ہے
مرے دل کو ودیعت کر رہے ہیں

مُشاہدہ

نظروں کے سامنے ہے اک شوخ ماہ پارا[1]
میں لڑکھڑا رہا ہوں دنیا کوئی سہارا
وہ اُس کا میری جانب یکبارگی اشارا
رُخ جس طرح بدل دے دریا کا تیز دھارا
اُس جانِ گلستاں نے انگڑائی ناز سے لی
یا طاقِ میکدہ سے شیشہ کوئی اتارا
رنگیں لبوں پہ رقصاں ہلکی سی مُسکراہٹ
جیسے شفق کی ضو میں اک کانپتا ستارا
اندازِ کم نگاہی، جلووں کی بے پناہی
بے تاب ہے تمنا، سکتہ میں ہے نظارا

[1] ماہ پارہ

یہہ چال، یہہ قیامت، یہہ ناز یہ شرارت!
حل ہو گیا ہے جیسے شوخی میں گرم پارا
ہیں بسملِ سراپا در زعمِ باطلِ خود
وہ قاتلِ مجسّم "بالاتفاق آرا"
یہہ کس نے مسکرا کر نیچی نظر سے دیکھا
جنبش میں آگیا ہے دل کا نظام سارا
اُس مختصر نظر پر، یہہ جان و دل نچھاور
اک کامیاب سودا، جس میں نہیں خسارا
ماھر یہی گھڑی ہے معراج زندگی کی
اتنے حسیں مناظر ملتے نہیں دوبارا

ایک اشتراکی دوست سے

مجھ میں اور تجھ میں بڑا فرق ہے اے جانِ عزیز
تو ہے لینن کا غلام اور میں محمدؐ کا غلام
میرے ماضی کی روایات ہیں ابتک زندہ
تیری تہذیب کا سورج ہے ابھی سے لب بام
عرش و کرسی کی فضاؤں سے تجھے کیا مطلب
تیرے افکار کا شاہیں ہے ابھی تک تہہ دام
میری تہذیب سے روشن ہیں عرب اور عجم
تیری تہذیب کی دنیا ہے چراغِ سرِ شام

تجھ کو معلوم نہیں فطرت انساں کے رموز
تیرے ہاتھوں میں نہیں ابلق ہستی کی لگام
تجھ کو فطرت کے توازن کی خبر ہی نہ رہی
ہو گیا جب سے مساوات کا تجھ کو سرسام

کشاکش

وہ ذرہ جو تاروں سے ٹکرا رہا ہے
اجالے کا مرکز بنا جا رہا ہے
یہہ بزم تصور میں کون آ رہا ہے
تخیل نئی زندگی پا رہا ہے
محبت کا افسانہ اس دن سے ابتک
کہا جا رہا ہے، سنا جا رہا ہے

تصویر دیکھکر

یہہ نگاہِ حشر ساماں، یہہ جوانی کی پھبن
ڈر رہا ہوں وقت سے پہلے قیامت آنہ جائے

تیرے ہونٹوں کے تبسم نے اُسے دُہرا دیا
وہ فسانہ جو کہا جائے مگر سمجھا نہ جائے

تونے کیوں تقویٰ شکن زُلفوں کو برہم کر دیا
میکدہ دل پر پھر کہیں ساون کی بدلی چھا نہ جائے

تیری للچائی نگاہوں کو پریشاں دیکھکر
مجھ کو یہ ڈر ہے تری تصویر بھی شرما نہ جائے

دل کی خواہش ہے کہ ساری عُمر دیکھی جائیے
عقل کہتی ہے تری تصویر کو دیکھا نہ جائے

تو ہی فرما دے کہ پھر مجبور انساں کیا کرے
زندگانی میں اگر جذبات سے کھیلا نہ جائے

بحرِ ہستی میں ہیں دھوکے کی چٹانیں زیرِ آب
تیری اُمیدوں کی کشتی بھی کہیں ٹکرا نہ جائے

میری آہِ گرم سے موج ہوا ہے بیقرار
تیرے نوٹو کی جبیں پر بھی پسینہ آ نہ جائے

مجھ کو آتا ہے ترس تیری جوانی دیکھکر
تو بھی اس منزل میں میری طرح ٹھوکر کھا نہ جائے

دُنیا

مُورکھ اور ہٹ مار ہے دُنیا جھوٹوں کا دربار ہے دُنیا
ہار کو دُنیا جیت کہے ہے جواری کی سی ہار ہے دُنیا
کون کسی کا غم کھاتا ہے؟ کہنے کو غم خوار ہے دُنیا
لالچ سے من ہر لیتی ہے مطلب کی ہشیار ہے دُنیا
وقت پڑے تو کام نہ آئے لکڑی کی تلوار ہے دُنیا
پیتل سونا بن جاتی ہے دھوکے کا بیوپار ہے دُنیا
دل میں کپٹ اور میٹھی باتیں کتنی دنیا دار ہے دُنیا
اُمیدوں کی عمر ہی کتنی! دو دن کی پھلوار ہے دُنیا
تو دُنیا کو سمجھا کیا ہے
بابا! کس کی یار ہے دُنیا

ذبحِ عظیم

اُسے بخشا ہے تجھے اللہ نے قلبِ سلیم
سُن کہ پھر کرتا ہوں شرحِ آیۂ ذبحِ عظیم
زندگی ہے راستہ میں حق کے مٹ جانیکا نام
ہے شہیدانِ وفا پر آتشِ دوزخ حرام
ملتِ بیضا کی عظمت صرف قربانی میں ہے
لذتِ آبِ بقا، تلوار کے پانی میں ہے
فطرت مُسلم کو ہے ہر غیر حق سے دشمنی
پھُول کی پتی ہو اس میں یا کہ ہیری کی کنی

غیرِ حق کے سامنے مُسلم کا سر جھکتا نہیں
یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی جو رُکتا نہیں
عظمتِ انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے
حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی میں ہے
دے نہ یوں اسلام کو لفظی فریبِ رنگ و بُو
یہ گلستاں چاہتا ہے تیری شہ رگ کا لہو
تشنگی کو قطرۂ شبنم، بجھا سکتا نہیں
صرف اقرارِ زبانی کام آسکتا نہیں
جانتا ہے؟ بارگاہِ حق کے آئین اصول
دل کے ٹکڑوں کی یہاں پر نذر ہوتی ہے قبول
عشق ہی کی ہے ضرورت حُسن کی سرکار میں
یعنی ہے جنسِ وفا کی قدر اس بازار میں
سوزِ ابراہیمؑ کا جلتا ہے اس گھر میں چراغ

خونِ اسمٰعیلؑ ہی سے لہلہاتا ہے یہ باغ

طایف و بدر و احد کے معرکوں کے ساز پر
جھومتے ہیں اس فضائے قدس کے رنگیں شجر

بام و در پر جو نظر آتی ہیں یاں رنگینیاں
نورِ عین مصطفٰےؐ کے خون کی ہیں جھلکیاں

چھیڑ رہا ہے اکبرؑ نوخیز کی سسکی کا ساز
پڑھ رہا ہے نزع کے عالم میں بھی کوئی نماز

ابر نیساں ہے یہاں پر خونچکاں حبلِ ورید
بلبلیں گاتی ہیں یاں افسانہ میٹھو شہیدؒ

انورِؒ غازی کے زخموں کے یہاں فانوس ہیں
یاں کے رہنے والے دردِ عشق سے مانوس ہیں

یاں کے پودوں میں نسیم آہ کرتی ہے حلول
اس جگہ زنداں کے آلام و مصائب کے ہیں پھول

ساکنانِ عرشِ اعلیٰ آکے کرتے ہیں وضو
یاں کے فواروں سے جاری ہے شہیدوں کا لہو
عید قرباں کے ترانے گائے جاتے ہیں یہاں
سرفروشانِ محبت لائے جاتے ہیں یہاں
آ کہ ہے بے تاب یہہ رنگیں فضا تیرے لئے
منتظر ہے رحمتِ ربِ عُلا تیرے لئے

افغانی نوجوان

آرہا ہے وہ فرازِ کوہ سے گاتا ہوا
آتشیں نغموں سے دل کی آگ بھڑکاتا ہوا

کر رہا ہے "رائفل" سے عہد و پیمانِ ستیز
اپنی آبائی شجاعت کی قسم کھاتا ہوا

دل قوی، چہرے پہ شادابی، نگاہیں مطمئن
جا رہا ہے حرّیت کا نور برساتا ہوا

چل رہا ہے پتھروں کے راستہ پر تیز تیز
ہر نفس میں ایک تازہ زندگی پاتا ہوا

گا رہا ہے کس مزے کیساتھ آزادی کے گیت
گردِ افشاں کاکلوں کے پیچ سلجھاتا ہوا

ٹھوکروں کو ٹھوکروں سے کر رہا ہے پائمال
ہر قدم پر سینۂ دشمن کو دھڑکاتا ہوا
ڈالتا ہے برگ و گل پر کس قیامت کی نگاہ
زندگی کی اک نئی تفسیر فرماتا ہوا
بلگمی ٹوپی، پھٹے جوتے، گریباں تار تار
چل رہا ہے پھر بھی اک دنیا کو ٹھکراتا ہوا
قبلہ رو ہو کر کھڑا وہ ہو گیا بہر نماز
عظمتِ اسلام کی تاریخ دہراتا ہوا

تدبیر کے دامن میں ہے تقدیر کا مقصود
کرتا ہے عمل دہر میں ناپید کو موجود

آزاد بھی ہو جائے تو آزاد نہ ہو گا
ہے خاکِ وطن جس کی تمناؤں کا معبُود

جب تک کہ براہیمؑ کی فطرت نہ ہو پیدا
وجدان بھی آذر ہے، تخیل بھی ہے نمرود

توحید کا پیغام نہ ہندی نہ عراقی
اسلام کے نقشہ میں نہ قندھار نہ جمرود

پیپل کے پجاری سے یہ اُمید نہیں ہے
کر دے جو غلامی کے کسی نقش کو نابُود

ایمان کے سایہ میں خطائیں بھی ہیں مقبول
بے جذب یقیں نیکیٔ اعمال بھی مردُود

نمازی کے لئے ننگ ہے آرام کی روزی
شاہیں کی غذا سیب نہ انگور نہ امرود

قسم

اس شگفتہ مسکراہٹ کی قسم — گلستانوں کی سجاوٹ کی قسم
چھڑ گئے دل میں تمناؤں کے ساز — آپ کے پیروں کی آہٹ کی قسم
اُن کے ہنستے ہی اجالا ہو گیا — قمقموں کی جگمگاہٹ کی قسم
آج تک وہ نغمہ ہے فردوس گوش — ساریوں کی سرسراہٹ کی قسم
دل کی دھڑکن گیت بنکر رہ گئی — آپ کی اس گنگناہٹ کی قسم
آج تک باقی ہے اُس دن کا خمار — مست آنکھوں کی لگاوٹ کی قسم

کر دیا نظروں کو آوارہ مزاج
اُن کے گیسو کی بناوٹ کی قسم

اُن کی ذردیدہ نگاہوں کی قسم — عشق کی پیچیدہ راہوں کی قسم

عاشقی اپنی جگہ خود ہی گناہ
اپنی نا کردہ گناہوں کی قسم

عشق ہے مجموعۂ دنیا و دین
میکدوں کی خانقاہوں کی قسم

آپ جن کو بخشتے ہیں زینتیں
اُن مقدس بارگاہوں کی قسم

انکی مستانہ اداؤں کی قسم
حُسن کی رنگیں فضاؤں کی قسم

چُھو کے آتی ہیں جو اُن کے جسم کو
کھا رہا ہوں اُن ہواؤں کی قسم

پھر ذرا چہرے پہ زلفیں چھوڑ دو
تم کو ساون کی گھٹاؤں کی قسم

بدگمانی

ہم نشیں! اہلِ جہاں کی تنگ دامانی نہ پوچھ
وہم زائیدہ جنوں کی فتنہ سامانی نہ پوچھ
کھو چکا ہے عظمت تقدیس انساں کا ضمیر
ڈھل چکا ہے وہم کے سانچے میں فطرت کا خمیر
خود تراشیدہ خیالوں پر یقیں کا ہے مدار
آدمی کا ہے تخیل بدگمانی کا شکار
بن چکے ہیں وہم کے اڈے جہاں کے دشت و کوہ
آدمی کو آدمی کے حال کی رہتی ہے ٹوہ
کھا رہے ہیں اہلِ دانش بدگمانی کا فریب
چھٹ چکا ہے ہاتھ سے فطرت کے دامانِ شکیب

اک ذرا سی بات کو افسانہ کر دیتے ہیں لوگ
لگ چکا ہے بدگمانی کا دلِ انساں کو روگ
ہو رہی ہے وہم کے اجزا سے تعمیرِ خیال
ساغروں میں گھُل رہا ہے، بدگمانی کا گُلال
اس جہاں میں وہم کی پرچھائیوں کا راج ہے
بدگمانی کا عمل، رُسوائیوں کا راج ہے
اس جہاں میں پھول کی پتی کو چھو لینا گُناہ
حُسن کے موضوع پر اشعار کہہ دینا گُناہ
اوس کی بوندوں سے دامن کو بھگو لینا گُناہ
آبشاروں کے کنارے ہاتھ دھو لینا گُناہ
چاندنی راتوں سے لذت یاب ہونا بھی گُناہ
اک ذرا سی دیر کو بے تاب ہونا بھی گُناہ
محفلِ شعر و ادب میں بار پانا بھی گُناہ

شعر پڑھنا جرم اور کچھ گنگنانا بھی گناہ
آسماں کے چاند تاروں کا نظارا بھی گناہ
پھول کی معصوم ڈالی کا سہارا بھی گناہ
انتہا یہ ہے کہ احساسِ مسرت بھی گناہ
مختصر یہ ہے کہ پاکیزہ محبت بھی گناہ

اس جہاں میں شعر گو بھی کسقدر ہے بدنصیب
لوگ شاعر کے تصور کو سمجھتے ہیں رقیب
فکر شاعر کو کوئی دلکش کھلونا چاہیے
شعر کے ماحول کو رنگین ہونا چاہیے
رنگ و بو کے گلستاں میں شعر پاتا ہے فروغ
کاش اس پر غور کرتا بدگمانی کا دروغ

دل کی دھڑکن شعر ہیں جب تک کہ ہو جائے نہ بند
مطمئن ہوتی نہیں شاعر کی فکر دردمند

ہے محرک کی ضرورت دل کی دھڑکن کے لئے
چاہئے مہمیز اس چالاک توسن کے لئے
لوگ شاعر کو سمجھتے ہیں امام خانقاہ
عام منظر پر نہیں آتا کبھی جس کا گناہ
لوگ شاعر کو سمجھتے ہیں فرشتہ کی مثال
ایک مرکز سے نہیں ہٹتا کبھی جس کا خیال
اس جہاں میں زندگی کا نام ہے آوارگی
ہے دماغوں پر مسلط زہد کی بیچارگی
فطرت شاعر پہ اور پابندیاں فریاد ہے
یہ زمانہ کس قدر نافہم اور جلاد ہے

حُسن

حُسن ہے سارا جہاں ذوقِ تماشا کی قسم
زُلفِ لیلیٰ کی قسم عارضِ سلمیٰ کی قسم

ظُلمتِ شام نہیں، صُبح کے غلطاں ہیں شرار
عُرفِ عشّاق ہیں، خالِ رُخِ عذرا کی قسم

پتّی پتّی ہے زباں حُسن کے افسانے کی
لبِ معشوق کی قسم، قُلقُلِ مینا کی قسم

شاہدِ حُسن کی اک موجِ تبسم ہے سحر
چاند سورج کی قسم، عقدِ ثریا کی قسم

غور سے دیکھ کہ دریا کی تہوں میں بھی ہے حُسن
لوح و کُرسی کی قسم، عرشِ معلّیٰ کی قسم

حُسن ہر رنگ میں اک شان نئی رکھتا ہے
شامِ فرقت کی قسم، صُبحِ تمنا کی قسم

عظمتِ حُسن کی ایک شان ہے رُسوائی بھی
چاکِ یُوسفؑ کی قسم دستِ زلیخا کی قسم

حُسن جس جا بھی رہا فاتح و منصور رہا
مرگِ راون کی قسم، عصمتِ سیتا کی قسم

بخششِ حُسن پہ ہے دار و مدارِ کونین
بابِ فردوس کے عنوانِ مُطلا کی قسم

چشمِ ماہرؔ کو بھی اب حُسنِ بصیرت سے نواز
حُسن والے تجھے اپنے رُخِ زیبا کی قسم

مشرقی خاتون

زینتِ ایوانِ مشرق، ای بہارِ ایشیا
اے مکمل حسنِ عصمت، پیکرِ مہر و وفا
اے مجسم نازِ حسنِ غیرتِ معصوم کے
نیچی نظروں پر حیا کی چادریں ڈالے ہوئے
تیری طینت ہے وفا، تیری محبت ہی غیور
اے سراپا سادگی، اے جنتِ مشرق کی حور
تیری پیشانی پہ آتا ہے جو غیرت سے عرق
دیکھ! بن جاتا ہے اک تاریخ ہستی کا ورق
افتخارِ ملک! وجہ عزتِ مشرق ہے تو
دوڑتا ہے تیری رگ رگ میں شرافت کا لہو

اے مکمل آدمیت، خلدِ ہستی کی بہار
صنفِ نازک کا تری ہستی سے قایم ہے وقار
اہلِ دل کو کیوں نہ ہو، تیری محبت کا یقیں
شائبہ جس میں بناوٹ کا نظر آتا نہیں
آدمیت کے خزانے تیرے ہاتھوں کے نثار
چھوٹ سکتا ہی نہیں جن سے کہ دامانِ وقار
تو نے سیکھی ہی نہیں ہیں انجمن آرائیاں
جانِ عصمت، شانِ عفت ہیں تری تنہائیاں
ہے تری تہذیب میں حُسنِ قدامت کی چمک
دیکھتا ہوں تیرے مُستقبل میں ماضی کی جھلک
دیکھ! شعلہ مغربی تہذیبِ غیرت سوز کا
وہ تری جانب بڑھا للہ! دامن کو بچا
اس قدر واضح حماقت! بھُول وہ بھی ایسی بھُول

آہ! دُنیا نے سمجھ رکھا ہے انگاروں کو پھول
اس غلط فہمی کا ہو جائے ازالہ جلد کاش
ہو رہی ہے ریت کے تودوں میں پانی کی تلاش
دیکھ! لغزش میں نہ آ جائے ترا پائے ثبات
ہے نظر مشرق کی تیری سمت اے اُمّ البنات!

وارداتِ شب

ایک اک ذرہ تھا رشکِ صد سحر کل رات کو
تھا مسلسل نور تا حدِ نظر کل رات کو
جنبشِ انفاس پر تھا لرزشِ مے کا گماں
ہر ہوا کی موج تھی صہبا اثر کل رات کو
چاندنی کی چھاؤں میں ذروں کی وہ انگڑائیاں
ہو رہا تھا خاک پر رقصِ شرر کل رات کو
آ گئی تھی جوش پر رفتارِ نبضِ کائنات
کر رہی تھی زندگی اپنا اثر کل رات کو

اللہ اللہ! ذرہ ہائے خاک کی تابندگی
ہر طرف تھے منتشر لعل و گہر کل رات کو

جل رہی تھی ساری دُنیا آتشِ انوار سے
دیدنی تھا میری آہوں کا اثر کل رات کو

بڑھ گیا تھا اس قدر احساس لُطفِ زیست کا
مٹ گیا تھا امتیازِ خیر و شر کل رات کو

مستیوں میں غرق تھا سلمائے گیتی کا شباب
مثلِ میکش جھومتے تھے بام و در کل رات کو

دن کا ڈھلنا تھا کہ غنچوں کو تبسم آگیا
شام ہی سے تھا عیاں جوشِ سحر کل رات کو

موجِ سطحِ خاک سے پہونچی فضائے عرش میں
ڈوب کر اُبھری کہاں میری نظر کل رات کو

یہہ نوازش حُسن کی تھی گلستاں تو گلستاں

گر رہی تھیں بجلیاں ہر دشت پر کل رات کو
جس طرف دیکھو تجلّی، جس طرف جاؤ بہار
حاصلِ صد زیست تھا ذوقِ نظر کل رات کو
عُمر بھر کے واسطے کافی تھا یہ لطفِ نظر
جانِ م[illegible] تو بھی آجاتا اگر کل رات کو

مسلمانانِ ہند اور "اہمسا"

اُس کو کہتے ہیں "اہمسا" مکر کی تہذیب میں
شیر کو بکری بنا سکتا ہے جو سحرِ حلال
رُوحِ ملّت قتل ہوتی ہے وطن کے نام پر
کفر کی جھوٹی رواداری نے پھیلایا ہے جال
دے رہے ہیں فطرتِ طوفاں کو حد بندی کا درس
ڈھل رہا ہے ضبط کے سانچے میں افغانی جلال
جس جبیں پر خون کی سُرخی سے آتی ہے بہار
اس جبیں پر مل رہے ہیں لوگ ہولی کا گُلال

ہے یہی مفہوم شاید آرین تہذیب کا
تیغ رخصت ہو کے رہ جائے فقط ہاتھوں میں ڈھال

جس میں اسلامی اُخوت کا نہ ہو عنصر شریک
وہ سیاست کفر وہ تہذیب کیا ہے ملک بال

فاتحِ کون و مکاں ہے جذبۂ عشق رسول ؐ
کچھ نہیں ہوتا یہاں بے گرمیٔ سوز بلال ؓ

عقیدت کے آنسو

ایک پیکرِ تسلیم حُسینؓ ابن علیؑ ہے
"الحمد" لبوں پر ہے تو آنکھوں میں نمی ہے
ہم شکلِ رسولِؐ عربی ہیں علی اکبرؓ
صُورت بھی اُسی طرح کی، سچ د[illegible]ی ہے
عباسؓ نے فرمایا کہ پیاسی ہے سکینہؓ
دریا سے ذرا ہٹ کے جو تلوار چلی ہے
بانوؓ نے کہا چُوم کے معصوم لبوں کو
سچ مُچ مرا اصغرؓ تو بنفشہ کی کلی ہے

حُرؓ چوم کے دستِ شہؑ ذیجاہ یہ بولے
جنت ترے قدموں کے تصدق میں ملی ہے

اسلام کو ہے ناز شہیدوں کے لہو پر
کھیتی اسی پانی سے یہ سیراب ہوئی ہے

پیاسا ہے کئی دن سے محمدؐ کا گھرانا
اور نہر پہ اشرار کی اک بھیڑ لگی ہے

ہے ابنِ علیؓ تیغ بکف معرکہ آرا
سچائی کی تاریخ ورق لوٹ رہی ہے

تم رتبۂ ماھرؔ سے خبردار نہیں ہو
من جملۂ خدامِ رسولِؐ عربی ہے

پنگھٹ کی صُبح

ٹھنڈی ہوا، خموش فضا بھاپ کا دھواں
جاڑے کی رُت بہار کے دن صبح کا سماں
لہروں پہ تیرتی ہے حبابوں کی کہکشاں
موجوں سے کھیلتی ہیں درختوں کی ڈالیاں

آئی ہوا تو اوس کے موتی ڈھلک گئے
سرسبز پتیوں کے پیالے چھلک گئے

آئی کرن نگاہ کے پر تولتی ہوئی
کہرے کی ہر لطیف گرہ کھولتی ہوئی
شبنم کے تابناک گہر رولتی ہوئی

پانی میں روشنی کی شکر گھولتی ہوئی
موجوں کی بے قرار جبینیں چمک گئیں
وہ جوشِ کیف ہے کہ ہوائیں بہک گئیں
اشنان کرنے آئی ہے لڑکی کسان کی
کاندھے پہ ایک ملگجی دھوتی پڑی ہوئی
ندی کے پاس جا کے جو انگڑائی اس نے لی
ملاح کے بھی ہاتھ سے پتوار چھٹ گئی
موجوں نے بڑھ کے اس کو گلے سے لگا لیا
شاعر نے بھی نگاہ کو اپنی جھکا لیا

پنگھٹ کی شام

پیڑوں کی چھاؤں ریت کے ذرّے شفق کی ضو
ساحل کو چومتی ہوئیں موجیں بہ طرزِ نو
خورشید کے چراغ کی بجھتی ہوئی سی لو
بربط سا چھیڑتی ہوئی ندی کی تیز رو

موجوں کے جزر و مد میں عجب اہتمام ہے
فردوس کی سحر ہے کہ پنگھٹ کی شام ہے

پھیلی ہوئیں جھکے ہوئے پیڑوں کی ڈالیاں
دریا کی سطح بن گئی سایہ کا آسماں

جاتا نہیں ہے ایک بھی نظارہ رائیگاں
گاؤں سے آ رہی ہیں کسانوں کی لڑکیاں
مٹی کی گاگروں کو سروں پر لئے ہوئے
مستی کی تیز تیز شرابیں پیے ہوئے
چڑھتا ہوا شباب مکمل جوانیاں
موضوعِ حُسن و عشق مجسم کہانیاں
تہذیب عہد رفتہ کی زندہ نشانیاں
کھیتوں کی شاہزادیاں گاؤں کی رانیاں
آتے ہی ان کے منظر ساحل بدل گیا
ماحول حسن و کیف کے سانچے میں ڈھل گیا

اسیرانِ بدر

بدر میں سخت تھی آویزشِ کفر و اسلام
ایک مرکز پہ سمٹ آئے تھے سارے کفار
اس طرف چند مسلمان تھے وہ بھی مفلوک
اُس طرف سیکڑوں پیدل تو بہت سے تھے سوار
لات و عُزیٰ کے پرستار بڑھے جوش کیساتھ
نیزے ہلنے لگے چلنے لگی باہم تلوار
رکھہ دیا خاک پہ سر کار نے سر سجدے میں
اور کی عرض کہ اے حضرتِ ربِّ غفار

ڈیکھ دنیا سے اگر مٹ گئے یہ چند نفوس
حشر تک تیری پرستش بھی نہ ہوگی زنہار
غیرتِ حق میں یکایک ہوئی جنبش پیدا
آگئی بدر کے میدان میں فرشتوں کی قطار
جم گئے حق کے پرستار چٹانوں کی طرح
جن سے آکر متصادم ہوئی فوجِ کفار
ایسی گھمسان لڑائی میں وہ تلوار کے ہاتھ
چوم لیتی تھی کلائی کو شجاعت ہر بار
ابتری پھیل گئی فوج میں اور ہو گئے قتل
عتبہ و شیبہ و بوجہل سے نامی سردار
فتحمندی نے دیا ساتھ مسلمانوں کا
بول بالا ہوا اسلام کا اور کفر کی ہار
قتل کچھ ہو گئے۔ کچھ بھاگ گئے میداں سے

قید میں آئے مسلمانوں کی باقی اشرار
آئے میداں سے مدینہ کی طرف ہو کے اسیر
کون؟ وہ خونِ محمدؐ کے پیاسے کفّار
جن کے باعث نہ ملی ارض حرم میں بھی پناہ
ہو کے مجبور چلے آئے مدینے سرکار
جن کے پامال جفا کون؟ بلالِؓ حبشی
جن کے ہاتھوں کا ستایا ہوا اک اک دیندار
اُن کو پھر مسجدِ نبوی کے تھموں سے باندھا
ایک اک فرد کہ تھا اُن میں مجسم پندار
غم و اندوہ اسیری سے کراہے قیدی
مضطرب ہو گئے آہوں سے شہ عرش وقار
صحن مسجد میں ٹہلنے لگے ہو کر بے چین
پوچھا اصحابؓ نے سرکار ہیں ابتک بیدار

بولے جب تک کہ نہ کھُل جائیں اسیروں کے بند
نیند واللہ نہیں آئے گی مجھ کو زنہار
سُن کے ارشاد اسیروں کو معاً کھول دیا
بُولے سرکارِ مآب دلِ مُضطر کو قرار
قیدیوں کے لئے جوڑے بھی پہننے کو دیئے
بن گئے پھول مسرت کے قلوبِ کفار
مرحبا طرزِ کرم، حبذا شانِ الطاف
رحمتِ ہر دو جہاں ہیں تری رحمت کے نثار
مالکِ کون و مکاں! بادشہِ عرش سریرا!
نام لیوا ہیں ترے بند غلامی میں اسیر

جدید ہندوستان

خوشا نصیب! کہ آزاد ہے وہ پیشانی
جو آستانۂ اغیار پر تھی محوِ سجود
وہ دن گئے کہ اندھیرے کی راجدھانی تھی
نظر نواز ہے اب حسن شاہدِ مقصود
وہ زندگی کہ جو تھی طائرِ قفس کی طرح
وہ زندگی ہے بہ رنگِ فضائے نامحدود
شرارۂ برق ہے اُس آشیاں کا ہر تنکا
وہ آشیاں کہ جو تھا رہنِ آتشِ بے دود

جبینِ ہند سے پھوٹی ہے زندگی کی کرن
کہ جیسے شب کے دھندلکے میں ہو سحر کی نمود

زجوشِ گرمیٔ خوں، سینۂ فضا تفتید
بہ سقفِ مشرقِ نو، آفتابِ نورِ خرشید
الٹ ہی جائے گی اک دن تونگری کی بساط

ہوئی ہے خواب سے بیدار فطرتِ مزدور
وہ جلوہ رونقِ بزمِ خیال ہے پھر آج
کہ جو قریب ہے دل سے، مگر نظر سے دور
فرازِ دار ہے گویا کہ سیج پھولوں کی
پلا رہا ہے کوئی جامِ بادۂ منصور
یہ کس کی جرأتِ بے باک ہے نقاب کشا
کہ ظلمتوں کے افق سے ہے طلعتوں کا ظہور
ہے اس فضا کی طرف کاروانِ شوق کا رخ

جہاں نہ عظمتِ قیصر نہ سطوتِ فغفور
ندا یہ آئی کہ ذلت قبول ہے یا موت
کہا گیا یہ تڑپ کر کہ موت ہے منظور
نوید باخاک نشینوں کی آرزوؤں کو
کہ ٹوٹنے ہی کو ہے اب طلسم کبر و غرور
جو ایک آگ لگا دیگی سرد سینوں میں
جھلک رہی ہے وہ مے دل کے آبگینوں میں
یہ جبر و ظلم کی قوت کا لمحۂ آخر
شعاعِ مہر کی زد میں ہو جس طرح شبنم
جگر پہ نوک ہے نشتر کی اور لبوں پہ ہنسی
سیاسیات کے یہ پر فریب پیچ و خم
قدم قدم پہ محبت کا واسطہ دینا
یہ بات بات پہ کہنا تمہارے سر کی قسم
تسلیوں کی نمائش یہ کھوکھلے وعدے

یہ جورِ خاص کا انداز یہ فریبِ کرم
سکت رہی نہ دلوں میں نیازمندی کی

یہ بزمِ ناز ہوا چاہتی ہے اب برہم
زبانِ شعر میں جس کو شباب کہتے ہیں
یہ دور وہ ہے جسے انقلاب کہتے ہیں
یہ دے رہا ہے ہوا کون اپنے دامن کی
کہ شمع بزمِ ستم جھلملائی جاتی ہے

نئے خیال، نئی زندگی، نئے ساماں
جدید طرز کی بستی بسائی جاتی ہے
وہ حریت جسے قوموں کی زندگی کہئے
یقین بن کے دلوں میں سمائی جاتی ہے
ہوا ہے اپنی تباہی کا ہند کو احساس
مفادِ غیر کی بنیاد ڈھائی جاتی ہے

اجل کے نام سے دیوانے مسکراتے ہیں
نہ جانے! کونسی دنیا دکھائی جاتی ہے
نسیم صبح تمنا جو گدگداتی ہے
کلی کلی چمنِ دل کی مسکراتی ہے
نہ چل سکیں گے کسی طرح اب گلستاں پر
فریبِ فطرت گلچیں، سیاست صیاد
وہ جوشِ حُبِّ وطن موجزن ہے سینوں میں
کہ جس کی ایک ہی چٹکی میں موم ہو فولاد
سنو سنو کہ خودی کی بلند چوٹی سے
سنا رہا ہے کوئی نغمۂ مبارکباد
فضا میں گونج رہا ہے پیامِ آزادی
ہر ایک دل سے یہ کہتی ہے فطرتِ آزاد
"بیا! کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم

قضا بگردشِ رطلِ گراں بگرد انیم (اقبال)

کیف و نشاط

برسات کا آگیا مہینہ
لانا مرا سُرخ آبگینہ
موجوں کی کوئی خطا نہیں ہے
خود میں نے ڈبو دیا سفینہ
یہ کس نے نقابِ رُخ الٹ دی
کلیوں کو بھی آگیا پسینہ

احترامِ خودی

سمجھ بہار کو پھولوں کا احترام نہ کر
نگاہ خاص ودیعت ہے اس کو عام نہ کر
طلب کی منزل مقصود سعی پیہم ہے
حرم بھی راہ میں آجائے تو قیام نہ کر
کمی ہے ذوق کی یہ امتیاز ساحل و موج
جو ڈوبنا ہے سفینہ کا اہتمام نہ کر
جو تجھ کو کچھ بھی عقیدت ہے چشم ساقی سے
تو بھول کر بھی، کبھی آرزوئے جام نہ کر

شراب عشق کی تقویٰ شکن نہیں ہوتی
حلال چیز کو اپنے لئے حرام نہ کر

خرد سے جب بھی کیا مشورہ مرے دل نے
یہی کہا کہ ابھی تیغ بے نیام نہ کر

خودی کی موت ہے بندوں کے سامنے جھکنا
ملیں جو قیصر و کسریٰ بھی تو سلام نہ کر

مُشاہدہ

پھر بزم جہاں زیر و زبر دیکھ رہا ہوں
تہذیب کی کوشش کا اثر دیکھ رہا ہوں!
اخلاق کا جلتا ہوا گھر دیکھ رہا ہوں
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں
کردار کی کھیتی کو ہے پانی کی ضرورت
افسردگیٔ برگ و ثمر دیکھ رہا ہوں
اسٹالن و ہٹلر پہ زمانہ کی نظر ہے
میں مردِ مُسلماں کی نظر دیکھ رہا ہوں

عہد رفتہ کی یادیں

گاؤں کے وہ لہلہاتے سبزہ زار
خوشنما طائر قطار اندر قطار
نالیاں کھیتوں کی مثل آبشار
ہر طرف سرسوں کے پھولوں کی بہار
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے
اوس میں بھیگی ہوئی پتوں کی گرد
طائروں کے چہچہوں میں سوز و درد

بن کھلی کلیوں کی رنگت زرد زرد
وہ فضائیں، وہ ہوائیں سرد، سرد
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے،
وہ کسانوں کی اُمیدوں کے کنول
جن کو کہتا ہے زمانہ پھول، پھل
ہر طرف سبزے ہی سبزے کا عمل
ہو گیا تھا آسماں مٹی میں حل
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے
جامنوں کے پیڑ، ساون کی گھٹا
کویلوں کی کوک اور ٹھنڈی ہوا
کیف زا ماحول، مستانہ فضا

آم کھانے اور کھلانے کا مزا

زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے
چاندنی شب میں کبڈی کے مزے
شوخیاں، خوش فعلیاں اور قہقہے
وہ مرے والد کا کہنا دور سے
کیا یہاں بچو! "مرا منظور ہے"[1]
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے
ریل کی پٹری پہ چلنا دوڑ کر
چوٹ لگنے کی کوئی پروا نہ ڈر
کنکروں کے فرش پر پیہم سفر
آج تک نظروں میں ہے وہ رہگذر

[1] ارباب عروض سے معافی خواہ ہوں

زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے
گاؤں کی چنچل کنواری لڑکیاں
جن کے ہونٹوں کی نچھاور بجلیاں
کس قدر مسرور کتنی شادماں
ساگ سے لبریز جن کی جھولیاں
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے
ٹول کے رنگیں دوپٹے ہائے ہائے
ملگجے کھدر کے کرتے ہائے! ہائے
دودھ سی چاندی کے جھمکے ہائے! ہائے
پاؤں میں پیتل کے بچھوے ہائے! ہائے
زندگانی کا فسانہ یاد ہے

مُجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے
جھاڑیوں سے وہ طلوعِ آفتاب
ٹوٹتا ہے جیسے دُلہن کا حجاب
بج رہا تھا خود ہی پتوں کا رباب
سامعہ مسرور، نظریں کامیاب
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مُجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

چاندنی راتوں میں ریتیلی زمیں
نُقروی گرداب، موج مرمریں
"اُس" کا فرمانا بہ نازِ شرمگیں
خُوبصورت تُم بھی ہو میں بھی حسیں
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مُجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

وہ لڑکپن وہ جوانی ہائے! ہائے
وہ خوشی وہ شادمانی ہائے! ہائے
وہ نشاطِ زندگانی! ہائے! ہائے
عہدِ رفتہ کی کہانی ہائے! ہائے
زندگانی کا فسانہ یاد ہے
مجھ کو اب بھی وہ زمانہ یاد ہے

دل میں ترے اُمنگ ہی باقی نہیں رہی
تجھ پر طلوعِ صُبحِ بہاراں ہوا تو کیا

"لبیک" کہہ رہا ہے تو آوازِ کفر پر
کہنے کو تیرا نام مسلماں ہوا تو کیا

شاہیں کے بازوؤں کی حرارت ہے اور چیز
زاغ و زغن کی طرح پرافشاں ہوا تو کیا

جب تک کہ تیرے دل میں نہ ہو درد کا رواں
ماہرؔ بھی کارواں میں حُدی خواں ہوا تو کیا

چل دیئے

چشمِ نم پر مُسکرا کر چل دیے
آگ پانی میں لگا کر چل دیئے

ساری محفل لڑکھڑاتی رہ گئی
مست آنکھوں سے پلا کر چل دیئے

گردِ منزل آج تک ہے بیقرار
اک قیامت سی اٹھا کر چل دیئے

میری اُمیدوں کی دُنیا ہل گئی
ناز سے دامن بچا کر چل دیئے

مختلف انداز سے دیکھا گئے
سب کی نظریں آزما کر چل دیئے

گلستاں میں آپ آئے بھی تو کیا
چند کلیوں کو ہنسا کر چل دیے
وجد میں آ کر ہوائیں رہ گئیں
زیرِ لب کچھ گنگنا کر چل دیے
وہ فضا وہ چودھویں کی چاندنی
حُسن کی شبنم گرا کر چل دیے
وہ تبسم وہ ادائیں وہ نگاہ
سب کو دیوانہ بنا کر چل دیے
کچھ خبر اُن کی بھی ہے ماہرؔ تمہیں
آپ تو غزلیں سنا کر چل دیے

فریبِ یقیں
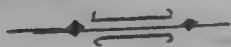
بایں شعور و تدبر جہاں پہ طاری ہے
جمودِ بے بصری یا سکوتِ بے خبری

ہے اشتباہ کے سایہ میں یوں یقیں کی نمود
گھٹا میں جیسے طلوعِ سپیدۂ سحری

ہزار حیف کہ دیوانگی کی باتوں کو
سمجھ رہا ہے زمانہ حقایقِ نظری

ہے کائنات زمانہ وہ جہل کا شیشہ
یقیں کی جس میں اتاری گئی ہی بنرپری

گمان و وہم کے تیشے اگر سلامت ہیں
حباب سے بھی ہے کمتر یقیں کی شیشہ گری
شہود و علم کی کم مایگی خدا کی پناہ
کھنڈر پہ ثبت ہو جس طرح کتبۂ حجری
سمجھ سکا نہ کوئی اک حقیر ذرہ کو
اور اوس پہ دعویٰ اور اک ہئیت قمری
تلاش کی تھی زمرد کی خاک بھی نہ ملی
نہ پوچھ دہر میں شاخِ عمل کی بے ثمری
وہ چند اوس کی بوندیں جو ل گئی ہیں بہم
نگاہ اُن کو سمجھتی ہے غنچۂ سحری
وہ بھید جس کو نہ سمجھے غزالیؒ و رومیؒ
مری مجال کہ میں کر سکوں گا پردہ دری

سرودِ مستانہ

گھٹا چھائی ہے ہر موجِ ہوا گلبار ہے ساقی
اٹھا ساغر کہ دُنیا ہوش سے بیزار ہے ساقی
مجھے اُس آتشِ سیّال کا ساغر عنایت ہو
کہ جس میں امتزاجِ گرمیٔ رخسار ہے ساقی
چھلکتے جام میں تیری نظر ہی کچھ نہیں شامل
مرا ذوقِ فراواں بھی، شریکِ کار ہے ساقی
مرے ہوش و خرد کا میکدے میں وزن ہی کیا ہے
جو تو چاہے تو اک گردش میں بیڑا پار ہے ساقی

ذرا گیسو کو جنبش دے کہ گہرا ابر چھا جائے
دھواں سا کچھ گھٹاؤں کا سرِ کہسار ہے ساقی
پلا ساغر، اٹھا بربط کہ ہر شے مست ہو جائے
زمانہ زنگ خوردہ تیغ کی جھنکار ہے ساقی
مجھے کچھ کد نہیں ہے زہد سے لیکن یہ صورت ہے
کہ زاہد سخت دنیا دار، دل آزار ہے ساقی
مجھے بیخود بنا دے، غرق کر دے، مست فرما دے
کہ ہستی صرف وہم ہوش کا پندار ہے ساقی
زمانہ کو ضرورت ہی نہیں ہے چاند سورج کی
جہاں میں اب فروغِ بادۂ گلنار ہے ساقی
مرے پندار کی شہ رگ سے خوں کا بہہ گیا دریا
یہ موجِ مے ہے یا چلتی ہوئی تلوار ہے ساقی
مٹا دے ہاں مٹا دے کفر و ایماں کی یہ تفریقیں

زمانہ پھر اسیرِ سبحہ و زنار ہے ساقی
ابھی تو مست نظروں کو ہی کچھ ہلکی سی جنبش ہے

ابھی تو صرف دُنیا بے پئے سرشار ہے ساقی
شرابِ ناب کی موجیں بھی شرمائی سی جاتی ہیں

تری رفتار ساقی، پھر تری رفتار ہے ساقی
ابھی تک نقشِ دُنیا میں خودی کے پائے جاتے ہیں

ابھی ہوش و خرد کا ولولہ بیدار ہے ساقی
مری آنکھوں کے ڈوروں ہی سے سب کچھ تاڑ لیتا ہے

یہ ظالم محتسب بھی کس قدر ہشیار ہے ساقی
ہے تیرے ہاتھ میں اس وقت ساقی زندگی میری

کہ دورِ جام میری نبض کی رفتار ہے ساقی
مرا دل اس ترے رنگین شیشہ سے بھی نازک ہے

چٹک نوخیز کلیوں کی بھی جس پر بار ہے ساقی

مری حالت سے اندازہ لگا میری تمنا کا
کہ میرا دردِ دل ناقابلِ اظہار ہے ساقی
کھنک ساغر کی سُن کر کان یہ محسوس کرتے ہیں
کسی نوخیز کے پازیب کی جھنکار ہے ساقی
شکستِ توبہ گرچہ معصیت سے بھی زیادہ ہے
مگر مجبور ہے ماہرؔ ترا اصرار ہے ساقی

تہذیب و سیاست

نازک ورقِ گل سے ہیں سائنس کے آلات
سائنس کے قبضہ میں جمادات، نباتات
کیا بات ہے اک دل کو بھی روشن نہیں کرتے
سائنس کی تہذیب کے افکار و مقالات
سائنس کے فتنوں سے ہے عالم میں تلاطم
آمادۂ فریاد ہے خاموشیٔ ذرات
اللہ رے! سائنس کی دانش کے شگوفے
شرمندہ ہیں چنگیز و ہلاکو کی روایات
اُس آنکھ سے پوچھو کہ جو تہذیب نگر ہے
اٹھتے ہیں حجابات کہ گرتے ہیں حجابات

کیوں عظمتِ مغرب پہ ہے سکرات کا عالم
سُنتے تھے کہ یورپ کی ہے چٹکی میں کرامات

ہے اُس بت کافر کی نگاہوں کا کرشمہ
اُندلس کی ہو شورش کہ فلسطین کے حالات

مغرب کو روا ہر نئے آشوب کی تخلیق
مشرق کے لئے جرم تمدن کی روایات

ہر بات میں ایک پیچ، ہر اقدام میں اُلجھاؤ
گویا کہ مقرر ہیں سیاست کے اشارات

ہے نام اُس آئین کا جمہور کا آئین
مقبول نہیں جس میں غلاموں کی شکایات

اُس دل سے یہ بہتر ہے کہ سینہ میں ہو پتھر
جس دل کی ہو معراج فرنگی کی ملاقات

بادۂ شیراز

(غزل)

ایں فرصتِ ہستی است کہ شمعِ سرِ راہے
حیف است بر آناں کہ نہ کردند گناہے

در میکدۂ عشق تمنا بفروشند
پیمانہ، بہ پیمانہ نگاہے بہ نگاہے

در فکرِ تو بیگانہ گذشتیم زعالم
ہر چند کہ ہر ذرہ طلب کرد نگاہے

عشق است بہ ہر لحظہ، طلبگارِ تمنا
در انجمنِ شوق کُجا فرصتِ آہے

در صومعہ افشا نتواں شد ز ریاضت
کاں راز بہ میخانہ عیاں کردگاہے
عالم ہمہ لبریزِ تمنا و تماشا
بے عشقِ تو دردہر سپیدے نہ سیاہے
خواہی کہ شود منظرِ فردوس میسّر
دریاب بہ نظارہ لب جوشِ ماہے

قطعہ

یک روز سرِ راہِ چمن یک بُتِ افرنگ
خندید بصد غمزہ و کج کرد کلاہے
گفتم کہ چرا خندہ کُنی از رہِ مستی
او گفت کہ عالم ہمہ مستی و گناہے
ما ہر نفس و شم بہ تمنائے دو عالم
آں دولتِ دیدار کہ یابم سرِ راہے

وارِدات

ہر طرف چھائی ہوئی تھیں مستیاں میرے لئے
رُک گئی تھی گردشِ کون و مکاں میرے لئے
انگلیوں پر دھاریاں منہدی کی لب رشکِ گلاب
اُس نے جی بھر کر لٹا دیں سرخیاں میرے لئے
پہلے پہلے وہ تکلف وہ جھجک وہ رکھ رکھاؤ
رفتہ رفتہ انجمن آرائیاں میرے لئے
اُن حیا آمیز رخساروں میں سُرخی کی جھلک
وہ تبسم وہ بہارِ بے خزاں میرے لئے

وہ تکلم جس پہ الفاظ و معانی کو ہے ناز
وہ مسلسل زحمتِ شرح و بیاں میری لئے

وہ ترنم جو ربابِ زندگی کو چھیڑ دے
اک سراپا حسن و مستی گلفشاں میری لئے

میری "گھبراہٹ" کی وہ نقلیں بہ اندازِ لطیف
شوخیاں میرے لئے، دلچسپیاں میری لئے

احتیاط و ضبط کے ہاتھوں میں دامن شوق کا
وہ ذرا رکتی ہوئیں انگڑائیاں میری لئے

وہ سراپا دعوتِ مستی، تقاضائے نشاط!
مستیاں میرے لئے رعنائیاں میری لئے

"اس" کا وہ اصرار تم اس بات کا وعدہ کرو
کشمکش اور سخت نازک امتحاں میری لئے

وہ جدائی کی گھڑی وہ رخصتی گفت و شنید
وہ مسلسل اشک آنکھوں سے رواں میری لئے
ہچکیوں کے چند جھٹکوں میں وہ کہنا الوداع"
چشم گوہر بار میں اک داستاں میری لئے
اے محبت کے خدا فریاد ہے فریاد ہے
زندگی میں اس قدر مجبوریاں میری لئے

ہر سمت حُسنِ شاہدِ قدرت ہے آشکار
شادابیوں کا جوش یہ رنگینیٔ بہار

یُوں جھومتا ہے سبزۂ خوابیدہ بار بار
جیسے کسی حسین کی آنکھوں میں ہو خُمار

رشکِ عروسِ نو ہیں درختوں کی کونپلیں
غیرت دہِ بہشت ہے دامانِ کوہسار

ہر شاخ مثلِ برقِ تپاں کانپتی ہوئی
ہر پھول کیا ہے ایک بھڑکتا ہوا شرار

رنگینیوں میں ڈوب گئی ہے کلی کلی
دوشیزۂ بہار ہے گلشن سے ہم کنار
روحِ گلاب کے ہیں قرابے کھلے ہوئے
ہر پھول عطر بیز ہے ہر شاخ مشکبار
شادابیوں میں چور ہیں صحرا کے خار و خس
رعنائیوں میں غرق ہیں گلشن کے برگ و بار
ہنگامۂ بہار پہ روتا ہے میرا دل
ماہرؔ میں سوچتا ہوں جب اس کا مآل کار

دُنیا کا مستقبل

جبر و استبداد کی بُنیاد ڈھائی جائے گی
پھر سرے سے اک نئی دُنیا بسائی جائیگی

وہ کہانی جس کا عنواں ہے "شہیدوں کا لہو"
دہر کے ایک ایک ذرے کو سنائی جائیگی

سارے عالم کو دیا جائے گا درسِ حُریت
ساری دُنیا ایک ہی مرکز پہ لائی جائیگی

پھر دیا جائے گا انسانی اُخوت کا پیام
پھر رواداری کی اک گنگا بہائی جائیگی

جس کے بس چھونے سے آجاتی ہے غیرت جوش میں
پھر وہی رگ لیکے چٹکی میں دبائی جائیگی

لینے والا ہے جہاں فرعونیت سے انتقام
قصرِ استبداد کی بنیاد ڈھائی جائے گی
جس کی اک اک بوند کے سینہ میں ہے آبِ حیات
وہ مئے دوشیزۂ الفت پلائی جائے گی
آنیوالا ہے جہاں میں ایک خونیں انقلاب
آگ ہر عشرت کی محفل کو لگائی جائیگی
اُس کو انسانوں کی بستی سے نکالا جائے گا
جس کے دل میں اک ذرا بھی کھوٹ پائی جائیگی
دل کی گہرائی سے آئے گی "صدائے مرحبا"
نظمِ ماہر جس کسی کو بھی سنائی جائیگی
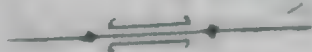
خطاب!

برنگِ دیدۂ نرگس نہ تو نظارا کر
جو دل میں ڈوب سکے وہ نگاہ پیدا کر

جگر کے داغ چھپانے سے کچھ نہیں حاصل
عمل کی سطح پہ ہر داغ کو ہویدا کر

طلوعِ جلوۂ حق ہر چٹان سے ہوگا
مگر یہ شرط ہے عزمِ کلیم پیدا کر

اُمید بخش کے قدرت نے آدمی ہی کہا
تمام عُمر یہی ایک خواب دیکھا کر

ترے جلووں میں تابانی نہیں ہے
تری تخلیق فارانی نہیں ہے
زمانہ کو بدل سکتا نہیں تو
کہ تجھ میں جذبِ طوفانی نہیں ہے

دو شعر

تمام عمر گزاری تمہارے وعدے پر
اسی فریب نے مجبورِ انتظار کیا
دلِ حزیں! تری سب زہد کوشیاں معلوم!
جو کوئی بس نہ چلا صبر اختیار کیا

فلسفی سے!

ترے جذبات ہیں مغلوبِ دانش
تری فطرت محبت ناچشیدہ
مری نورس کلی جانِ گلستاں
ترا سیبِ تفکر نارسیدہ
تری دنیا مہ و خورشید و افلاک
مری دُنیا فضائے بزمِ لولاک
ترا جوشِ عمل تعمیرِ اوہام
مری سعیِ عمل تشکیلِ ادراک

تبصرہ!

خُون ٹپکاتی ہیں پھر غنچۂ ہستی کی رگیں
جُنبشِ موجِ صبا، خنجرِ خونخوار ہے آج

دشنۂ جور سے ہے شیشۂ دل چکنا چُور
جان کے خوف سے ساکت لبِ اظہار ہے آج

جس جگہ جائیے منظر ہے پریشانی کا
فتنۂ روزِ قیامت ہے کہ بیدار ہے آج

دلِ انساں ہے کہ آتشکدۂ کبر و غرور
ہر نفس گرمیٔ نخوت سے شرربار ہے آج

ذرہ ذرہ پہ مُسلط ہے گناہوں کی فضا

مختصر یہ ہے کہ زاہد بھی سیہ کار ہے آج

کلمۂ حق کا دیا جاتا ہے تیر دل سے جواب
اہلِ ایماں کے لئے پھر صلۂ دار ہے آج

اُس کا دریائے کرم خشک ہے پیاسوں کیلئے
خوبیٔ بخت سے جو کوئی کہ زردار ہے آج

جس کے وعدے کبھی پورے نہ ہوئے اور نہ ہوں
مائل عشوہ گری وہ بتِ عیار ہے آج

سامنے اہلِ تموّل کے جبینیں خم ہیں
بندہ اک دوسرے بندے کا پرستار ہے آج

باپ کی موت ہے بیٹے کے لئے وجہ نشاط
جذبۂ غیرتِ اسلاف عزادار ہے آج

پھر ضرورت ہے زمانہ کو عمرؓ پیدا ہو
کفر اسلام سے پھر مائل پیکار ہے آج

ایک اک شعر ہے تفسیر رموزِ عالم
کون ماہرؔ کے سوا ماہرِ اسرار ہے آج

۹

یہ ہنگامہ آرا نظم جس کا ہر شعر محاکات کا مرقع ہے
ماہرؔ القادری کے دوسرے مجموعۂ کلام میں شامل ہوگی۔

ناشر

اُفق پہ آنے لگی سیاہی، شفق کی سُرخی جھلک رہی ہے
یہ رات بیدار ہو رہی ہے کہ آنکھ دن کی جھپک رہی ہے
پرند مسکن کو جا رہے ہیں، کسان کھیتوں سے آ رہے ہیں
نظر سے دن بھر کی سخت محنت سرور بن کر ٹپک رہی ہے

انسان اور کائنات

ہے لبِ بُلبُل پہ شورِ مرحبا میرے لئے
مانگتے ہیں صُبح کو غنچے دعا میری لئے

چاندنی کیا ہے؟ مرے ذوقِ نظر کی اک کنیز
ہے عروسِ کہکشاں زریں قبا میری لئے

کامیابی عکس میرے ناخنِ تدبیر کا
دہر کا ہر عُقدۂ مشکل ہے وا میری لئے

تلخیٔ ایام میرے واسطے صہبائے عیش
عشق کا زہرِ ہلاہل ہے دوا میری لئے

ہے محبت سے عبارت میری فطرت کا خمیر
میں وفا کے واسطے ہوں اور وفا میرے لئے

جو نہ بخشا جائے ایسا جرم ہے میرا وجود
ہے مقرر قیدِ ہستی کی سزا میرے لئے

وسعتِ کون و مکاں ہے تنگ میرے واسطے
عرش کا ہے کنگرہ تحت الثریٰ میرے لئے

دی مرے آنے کی غنچوں نے زمانہ کو نوید
بلبلوں نے بزمِ عشرت کی بپا میرے لئے

میرے خوش کرنے کو ہیں طاؤس رقصاں دشت میں
چل رہی ہے باغ میں ٹھنڈی ہوا میرے لئے

کی گئی میرے لئے آراستہ بزمِ جہاں
دی گئی ہے چاند، سورج کو ضیا میرے لئے

میرے نظارے کی خاطر جھومتی ہے شاخِ گل

نغمہ زن ہیں قمریانِ خوشنوا میری لئے

میری مستی کیلئے ہے دور میں جامِ حیات
ہو رہی ہے دہر کی نشو و نما میری لئے

میری خاطر ہر کرن سُورج کی محوِ اضطراب
جھُومتی ہے شب کو تاروں کی فضا میری لئے

میرے محسوسات کے حُسنِ لطافت کو نہ پوچھ!
نبضِ خس کی ہے دھمک بانگِ درا میری لئے

ظُلمتوں سے اخذ کرتا ہُوں میں نُورِ سرمدی
موت کی چھاگل میں ہے آبِ بقا میری لئے

میری راحت کیلئے انگارے بن جاتے ہیں پھُول
چھوڑ دیتا ہے سمندر راستا میری لئے

مجھ کو گُمراہی نے منزل کا بتایا ہے پتا
موجِ طوُفاں بن گئی ہے ناخدا میری لئے

میری خاطر دی گئیں بنت العنب کو میتیاں
کی گئی ہے خلق ساون کی گھٹا میری لئے
پتی پتی گلشنِ جنت کی میری منتظر
روز و شب کرتی ہیں حوریں التجا میری لئے
میری خاطر بادۂ کوثر کے ساغر سر بہ مُہر
شاہدانِ خُلد ہیں نا کتخدا میرے لئے
ذرہ ذرہ بزمِ گیتی کا ہے مصروفِ عمل
اور ان سب کوششوں کا ہی صلہ میری لئے

مُسلم سے خطاب

پھر صُبحِ طرب ناک نکلتی نظر آئے
اقوام کی تاریخ بدلتی نظر آئے
صہبائے عمل جام میں ڈھلتی نظر آئے
گرتی ہوئی مخلوق سنبھلتی نظر آئے

تو مردِ مُسلماں ہے تو پیغامِ عمل دے
اُٹھ اور زمانے کے مُقدر کو بدل دے

سرمایۂ عظمت ہے تری ذاتِ گرامی
تو خالق و مخلوق کے مابین پیامی

طُوفان کی شورش ہے تری مست خرامی
اے تجھ کو سزاوار محمدؐ کی غلامی
ایمان کی دولت تجھے اللہ نے دی ہے
دُنیا ترے قدموں کی طرف دیکھ رہی ہے
تیرے لئے بیتاب ہیں عالم کی فضائیں
بیدار ہو فطرت تجھے دیتی ہے صدائیں
چھائی ہیں ترے باغ پہ رحمت کی گھٹائیں
ہر دم ہیں تیرے ساتھ فرشتوں کی دُعائیں
زنہار نہ بہنا کسی طوفان کی رو میں
اللہ کی فوجیں ہیں مُسلماں کے جلو میں
اخلاق ترے پاس ہیں، ایمان ترے پاس
ایقان ترے پاس ہے عرفان ترے پاس
کونین کی رفعت کے ہیں سامان ترے پاس

تلوار ترے پاس ہے قرآن ترے پاس
تو چاہے تو ڈوبا ہوا خورشید نکل آئے
تدبیر تو کیا چیز ہے تقدیر بدل جائے
یہ قوس قزح، چاندنی راتیں، مہ و انجم
تیرے لئے ہر وقت ہیں بے تاب تبسم
بے چین ہے تیرے لئے موجوں کا ترنم
غنچے ہیں ترے واسطے سرگرم تکلم
آباد ہے امید کی منزل ترے دم سے
کونین میں ہے گرمیٔ محفل ترے دم سے
تو وہ کہ دہل جائے ترے نام سے دنیا
باقی ہے ہی زیست ترے کام سے دنیا
زندہ ہے ابھی تک ترے پیغام سے دنیا
مستِ مئے الفت ہے ترے جام سے دنیا

دُنیا کی حکومت کا سزاوار تو ہی ہے
اللہ کے اکرام کا حقدار تو ہی ہے
تو رُوحِ بلالؓ ہے کبھی فکرِ غزالیؒ
تو شانِ جلالی ہے کبھی نازِ جمالی
جُھکتے ہیں ترے سامنے اصنام خیالی
آزاد ہے آزاد تری فطرتِ عالی
مُٹھی میں تری گردشِ افلاک و زمیں ہے
کُفّار کی کثرت کا تجھے خوف نہیں ہے
تو فوجِ محمدؐ کا سپاہی ہے سپاہی
دیتا ہے جہاں تیری شجاعت کی گواہی
اللہ نے دی ہے تجھے کونین کی شاہی
کرتا ہے خدا آپ تری پشت پناہی
تو مہرِ وفا ابرِ سخا بحرِ کرم ہے

سچ یہ ہے کہ تو مالکِ تقدیرِ اُمم ہے

پھر معرکۂ بدر زمانہ میں ہے درپیش

پھر تیرے مٹانے کو ہیں تیار جفا کیش

ڈر ہے کہ ترا مال نہ لٹ جائے کم و بیش

اسلام کے درپے ہیں جفا کار بد اندیش

الہام ہے شاعر کا یہ پیغام نہیں ہے

بیدار ہو کہ سونے کا یہ ہنگام نہیں ہے

حقائق و معارف

جس گیت کو زندگی نے گایا
سُن! یہ سب وہ گیت تھا پرایا
ہستی کا فریب کھانے والو!
شعلوں کو سمجھ رہے ہو سایا!

یہ ہاتھ یہ پھول سی گلابی
یہ آنکھ یہ عارضِ شہابی
اے رحمتِ حق! معاف کرنا
بننا ہی پڑا مجھے شرابی

اس طرح میں آہ کر رہا ہوں
گویا کہ گناہ کر رہا ہوں

سورج کی جبیں عرق عرق ہے
ذروں پہ نگاہ کر رہا ہوں

دنیا مرے راستہ سے ہٹ جائے
اپنے کو تباہ کر رہا ہوں

جس سمت تری نگاہ مڑ جائے
ٹوٹا ہوا آئینہ بھی جڑ جائے

ساقی کی اگر نہ ہو نوازش
مے جام سے پھول بن کے اڑ جائے

ہستی کا اگر فریب کھل جائے
آئینۂ دل سے گرد دھل جائے

یہ کیف یہ رنگ و بو کا عالم

موسم بھی شراب میں نہ گھُل جائے

آئینہ غم کو توڑتا ہوں

ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑتا ہوں

مزدور کو کر رہا ہوں بیدار

دولت کا لہو نچوڑتا ہوں

جینے کا پیام دے رہا ہوں

ہستی کا جہاز کھے رہا ہوں

ٹھکرا کے غم نشاطِ فردا

دُنیا سے خراج لے رہا ہوں

ہر عقدۂ زیست کھولتا ہوں

ہستی کی رگیں ٹٹولتا ہوں

ذرے ہوں کہ چاند یا ستارے

ہر شے کو نظر میں تولتا ہوں

پردیس کی زندگی نہ پُوچھو
کیا مُجھ پہ گُذر گئی نہ پوچھو

ممکن ہے کہ تم کو ہو ندامت
مجھ سے مری بیکسی نہ پوچھو

تتلی

اے حُسن کی شانِ اجتماعی   پروردۂ صد بہارِ خوبی

نقاش کی صنعتِ مکمّل   اے پیکرِ جنبشِ مسلسل

یہ نقش حسیں پروں پہ تیرے   جیسے کوئی حُور مسکرا دے

بے باک چمن میں گھومتی ہے   پھولوں کے لبوں کو چومتی ہے

یہ بادِ صبا کے نرم جھونکے   فردوس کے کھُل گئے دریچے

ایسے میں تری پروں کی جنبش   ہوتی ہے تجلّیوں کی بارش

پھرتی ہے چمن کی ہر روش پر   شبنم سے بدن بچا بچا کر

اللہ رے ترا غرور کافر   رکھتی نہیں پاؤں بھی زمیں پر

شفاف بدن، لباس زریں   اُس پر یہ ترا خرام رنگیں

اک پیکرِ حُسنِ رنگ و بو ہے   یا با ہمہ آب و تاب تو ہے

بدمستِ شمیم ہو نہ جانا   سایہ میں گلوں کے سو نہ جانا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظہورِ قدسی

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

سحر کا وقت ہے معصوم کلیاں مُسکراتی ہیں
ہوائیں خیرِ مقدم کے ترانے گنگناتی ہیں
مئے عشرت چھلکتی ہے ستاروں کے کٹوروں سے
اُبلتی ہے شرابِ خلد مٹی کے سکوروں سے
پسینہ شادمانی سے ہے پھولوں کی جبینوں پر
بطوں کا دیدنی ہے رقص تالابوں کے سینوں پر
چمن میں ہر طرف شبنم کے موتی جھلملاتے ہیں
نسیمِ صبح کے جھونکے دلوں کو گدگداتے ہیں
کھبی جاتی ہے آنکھوں میں گُل و لالہ کی رعنائی

کہ جیسے در حقیقت خاک پر جنت اُتر آئی
لٹاتے ہیں دُرِ خوش آب گلزاروں کے فوارے
خُوشی سے جگمگاتے ہیں، ثوابت ہوں کہ سیارے
بہارِ شبنمِ گُل جُو رہے کیفِ جوانی میں
نہا کر جیسے آئی ہے ابھی کوثر کے پانی میں
بھلائی کا اُجالا اپنے مرکز پر سمٹ آیا
شبابِ رفتۂ عالم پلٹ آیا پلٹ آیا
خوشی کے گیت گائے جا رہے ہیں آسمانوں پر
درودوں کے ترانے ہیں فرشتوں کی زبانوں پر
سجائی جا رہی ہے محفلِ ہستی قرینے سے
وہ جلوے کار فرما ہیں گذر جائیں جو سینے سے
طرب کے جوش سے ایک ایک ذرہ مُسکراتا ہے
زمیں کی آج قسمت پر فلک کو رشک آتا ہے

زمیں سے آسماں تک نور کی بارش ہی بارش ہے
کسی کی بے نیازی آج سرگرمِ نوازش ہے
ستاروں کے کنول جلوہ فگن رنگین و سادہ ہیں
فرشتے بہرِ استقبال ہر سُو ایستادہ ہیں
اشارے ہو رہے ہیں گلشنِ جنت کے پھولوں میں
وہ رعنائی نظر آتی ہے مکہ کی ببولوں میں
برستے ہیں گہرِ انوار کے میزابِ رحمت سے
کبوتر رقص میں ہیں بامِ کعبہ پر مسرت سے
ستارہ اوج پر ہے، سنگِ اسود کی سیاہی کا
کہ جیسے بھید کھُل جائے کسی کی بیگناہی کا
مسرت کے اثر سے مثلِ صبحِ خُلد ہیں خنداں
حرم کے در، منا کی وادیاں، عرفات کا میداں
ازل کی صُبح آئی جلوۂ شامِ ابد بن کر

کیا ہستی کے محور پر جہاں نے آخری چکّر
زمانہ کی فضا میں، انقلاب آخری آیا
نچھاور کر دیا قدرت نے سب فطرت کا سرمایا
ابھی جبرئیلؑ اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے
مُبارک ہو شہِ ہر دو سرا تشریف لے آئے
مُبارک ہو محمدؐ مصطفےٰ تشریف لے آئے
مُبارک غمگسارِ بیکساں تشریف لے آئے
مُبارک ہو شفیعِ عاصیاں تشریف لے آئے
مُبارک ہو نبیؐ آخری تشریف لے آئے
مُبارک ہو جہاں کی روشنی تشریف لے آئے
مُبارک مظہرِ شانِ احد تشریف لے آئے
مُبارک فاتحِ بدر و احد تشریف لے آئے

مبارک ہادیٔ دینِ مبیں تشریف لے آئے
مبارک رحمتہ اللعالمیںؐ تشریف لے آئے
مبارک ہو شۂِ کون و مکاں تشریف لے آئے
مبارک وجہ تخلیقِ جہاں تشریف لے آئے
مبارک رہبروں کے پیشوا تشریف لے آئے
مبارک شمعِ بزم انبیاء تشریف لے آئے
مبارک دستگیرِ بینوا تشریف لے آئے
مبارک دردمندوں کی دوا تشریف لے آئے
مبارک مخبرِ صادق لقب تشریف لے آئے
مبارک سیّدِ والا نسب تشریف لے آئے
مبارک چشمۂ صدق و صفا تشریف لے آئے
مبارک مہبطؐ وحیِ خدا تشریف لے آئے
مبارک عرش کے مسند نشیںؐ تشریف لے آئے

مُبارک بزمِ خلوت کے مکیںؐ تشریف لے آئے
مُبارک خاتمِ پیغمبراںؐ تشریف لے آئے
مُبارک ہو امیرؐ کارواں تشریف لے آئے
مُبارک زندگی کا مدعا تشریف لے آئے
مُبارک ہو کہ محبوبِ خدا تشریف لے آئے
مُبارک پیکرِ صبر و رضا تشریف لے آئے
مُبارک جدِّ شاہِ کربلاؓ تشریف لے آئے
مُبارک قبلۂ اربابِ دیں تشریف لے آئے
مُبارک صادق الوعد و امیں تشریف لے آئے
مُبارک صبح کو شمس الضحیٰ تشریف لے آئے
مُبارک رات کو بدر الدجیٰ تشریف لے آئے
مُبارک کاشفِ اسرارِ حق تشریف لے آئے
مُبارک مظہرِ انوارِ حق تشریف لے آئے

مُبارک دافع رنج والم تشریف لے آئے
مُبارک صاحب جود و کرم تشریف لے آئے
مبارک ہو رسُولِ محتشم تشریف لے آئے
مبارک ہو نبی محترم تشریف لے آئے
مُبارک قاسِم خُلد و جناں تشریف لے آئے
حریم قدس کے ساکن کہاں تشریف آئے
وہ آئے جن کے آنے کی زمانہ کو ضرورت تھی
وہ آئے جن کی آمد کیلئے بے چین فطرت تھی
وہ آئے نغمۂ داؤدؑ میں جن کا ترانہ تھا
وہ آئے گریۂ یعقوبؑ میں جن کا فسانہ تھا
وہ آئے مہرِ عالمتاب تھا جن کا حسین چہرا
وہ آئے جن کے ماتھے پر شفاعت کا بندھا سہرا
وہ آئے جن پہ حق کے فضل کی تکمیل ہونی تھی

وہ آئے جن کے ہاتھوں کفر کی تذلیل ہوئی تھی
وہ آئے جن کی خاطر مضطرب تھی وادیٔ بطحا
وہ آئے جن کے قدموں کیلئے کعبہ ترستا تھا
وہ آئے جن کی ٹھوکر پر تھا ورسطوتِ دارا
وہ آئے جن کے آگے سرد ہر باطل کا انگارا
وہ آئے جن کی آمد ظلم کو پیغامِ بربادی
وہ آئے جن کا آنا دہر کو اعلانِ آزادی
وہ آئے جن کا آنا باعثِ الطافِ یزداں تھا
وہ آئے جن کی پیشانی کا ہر خط شرحِ قرآں تھا
وہ آئے جن کو حق نے گود میں خلوت کی پالا تھا
وہ آئے جن کے دم سے عرشِ اعظم پر اُجالا تھا
وہ آئے جن کو ابراہیمؑ کا نورِ نظر کہیئے
وہ آئے جن کو اسمٰعیلؑ کا لختِ جگر کہیئے

وہ آئے جن کے آنے کو گلستاں کی سحر کہئے
وہ آئے جن کو ختم الانبیا خیر البشر کہئے
وہ آئے جن کے ہر نقشِ قدم کو رہنما کہئے
وہ آئے جن کے فرمانے کو فرمانِ خدا کہئے
وہ آئے جن کو رازِ کُن فکاں کا پردہ در کہئے
وہ آئے جن کو حق کا آخری پیغامبر کہئے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اُس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُنکر دُعائیں دیں
سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دیدی
سلام اُس پر ابُوسفیانؓ کو جس نے اماں دیدی
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں
سلام اُس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اُس پر جو سچائی کی خاطر دُکھ اٹھاتا تھا
سلام اُس پر جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اُس پر جو اُمت کیلئے راتوں کو روتا تھا

سلام اُس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

سلام اُس پر کہ جس کی سادگی درسِ بصیرت ہے

سلام اُس پر کہ جس کی ذات فخرِ آدمیت ہے

سلام اُس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی

سلام اُس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی

سلام اس پر کہ تھا "الفقر فخری" جس کا سرمایا

سلام اُس پر کہ جس کے جسمِ اطہر کا نہ تھا سایا

سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں

سلام اُس پر بُروں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"

سلام اُس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی

سلام اُس پر کہ جس کی سنگپاروں نے گواہی دی

سلام اُس پر کہ جس نے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا

سلام اُس پر کہ جس کے حکم سے سورج پلٹ آیا

سلام اُس پر قضا جس نے زمانہ کی بدل ڈالی
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کی قوت کچل ڈالی
سلام اُس پر شکستیں جس نے دیں باطل کی فوجوں کو
سلام اس پر کہ ساکن کر دیا طوفاں کی موجوں کو
سلام اُس پر کہ جس نے کافروں کے زور کو توڑا
سلام اُس پر کہ جس نے پنجۂ بیداد کو موڑا
سلام اُس پر سر شاہنشہی جس نے جھکایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے کفر کو نیچا دکھایا تھا
سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اُس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا
سلام اُس پر بھلا سکتے نہیں جس کا کبھی احساں
سلام اُس پر مسلمانوں کو دی تلوار اور قرآں
سلام اُس پر کہ جس کا نام لے کر اُس کے شیدائی

اُلٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت اوجِ دارائی

سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

سلام اُس پر کہ جس کے نام کی عظمت پہ کٹ مرنا
مسلمان کا یہی ایماں، یہی مقصد، یہی شیوا

سلام اُس ذات پر جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالدؓ و حیدرؑ کے افسانے

درود اُس پر کہ جس کا نام تسکینِ دل و جاں ہے
درود اُس پر کہ جس کے خُلق کی تفسیر قرآں ہے

درود اُس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اُس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی

درود اُس پر تبسم جس کا گُل کے مسکرانے میں
درود اُس پر کہ جس کا فیض ہے سارے زمانے میں

درود اُس پر کہ جس کا نام لیکر پھول کھلتے ہیں
درود اُس پر کہ جس کے فیض سے دو دوست ملتے ہیں

درود اُس پر کہ جس کا تذکرہ عین عبادت ہے
درود اُس پر کہ جس کی زندگی رحمت ہی رحمت ہے

درود اُس پر کہ جو تھا صدر محفل پاکبازوں میں
درود اُس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں

درود اُس پر مکینِ گنبدِ خضرا جسے کہئے
درود اُس پر شبِ معراج کا دُولہا جسے کہئے

درود اُس پر جسے شمعِ شبستانِ ازل کہئے
درود اُس پر ابد کی بزم کا جس کو کنول کہئے

درود اُس پر بہارِ گلشنِ عالم جسے کہئے
درود اُس ذات پر فخرِ بنی آدم جسے کہئے

رسولِ مجتبیٰ کہئے محمّد مصطفٰے کہئے

وہ جس کو ہادیٔ دینِ [illegible] خدا صفت کہیے
درود اُس پر کہ جو [illegible] کی اُمیدوں کا ملجا ہو
درود اُس پر کہ جس کا دونوں عالم میں سہارا ہو

مردِ مومن

(ایک ناتمام نظم کے چند شعر)

مردِ مومن مالکِ خشک و تر است — مردِ مومن نائبِ پیغمبر است
ہر نگاہِ مردِ مومن انقلاب — گلشنِ ہستی ازو یابد شباب
مردِ مومن در عمل جوئے آب — فطرتِ او تاب بوئے گلاب

مردِ مومن [illegible] است
مردِ مومن [illegible] است

تہذیبِ حاضر سے خطاب

دُشمنِ عیش و طرب ہے گردشِ لیل و نہار
خاک کے تودوں میں ہے تہذیبِ بابل کا مزار
رومتہ الکُبریٰ کے کھنڈروں کا پتہ ملتا نہیں
اُڑ چکا کب کا ہوا میں قیصریت کا غُبار
نینوا کے قصر و ایواں اور کسریٰ کے محل
کس قدر ثابت ہوئے اس دہر میں ناپائدار
عظمتِ فرغانہ باقی ہے نہ فرسام و کے
لٹ چکی کب کی عراقی مرغزاروں کی بہا

آل سیزر کا پتہ دیگی نہ شاید یہ زمیں
جس کے سینہ میں نہاں ایسے ہزاروں ہیں مزار

اس زمیں پر جن کی چوکھٹ چومتا تھا آسماں
صفحۂ تاریخ کی سطریں ہیں اُن کی یادگار

جن کے ماتھے کی شکن سے کانپ جاتا تھا جہاں
درسِ عبرت اہلِ بینش کو ہے اُن کا حالِ زار

تھی مہیا ہر جگہ جن کے لئے پھولوں کی سیج
اُن کے مستقبل کا عنواں زحمتِ خاشاک و خار

محفلوں میں وقف تھے ساقی گری کے واسطے
مہوشانِ شوخ فطرت، شاہدانِ گلعذار

چھیڑتے تھے مطربانِ باکمال و خوش گلو
سازِ رنگیں، بربط و قانون و دف عود و ستار

جن کی دنیا رقص، نغمہ، بوئے گل، صہبا و جام

جن کا مشرب عیش و مستی لذت و کیف و خمار
اُن کو دیکھا ہم نے اس دنیا میں باحالِ تباہ
اُن کو آخر کر لیا قانونِ قدرت نے شکار
دیکھ! پھر دنیا نے کروٹ لیکے اک انگڑائی لی
ہوشیار اے نخوتِ تہذیبِ حاضر ہوشیار
آندھیاں چلنے لگیں تیری بدولت جنگ کی
تیرے ہاتھوں کس قدر انسانیت ہے بیقرار
خونِ انساں سے تری تاریخ لکھی جائے گی
ہر کھنڈر مغرب کا ہے تیرے جنوں کی یادگار
اب تجھے چلنا پڑے گا دھار پر تلوار کی
خون میں تڑپے گی تیرے رقص خانوں کی بہار
ناز تھا تجھ کو بڑا سائنس کی ایجاد پر
اب وہی ایجاد تجھ کو کر رہی ہے خود شکار

کھُل چکا ہے دہر پر تیری بناوٹ کا فریب
اب فضا دُنیا کی ہے تیرے لئے ناسازگار
تو نے شبنم بن کے دُنیا کو بہت دھوکا دیا
کتنا خوں آشام ہے تیرا مزاجِ شعلہ بار
تو نے اپنی رنگ رلیوں میں ذرا پروا نہ کی
تجھ کو دی مہلت خدائے منتقم نے بارہا

خود تراشیدہ خیالوں کی ہے اک جوئے کم آب
جس کو سمجھی ہے سیاست بحرِ ناپیدا کنار
جذب کر سکتی نہیں شبنم کو سورج کی کرن
فطرتِ شبنم میں بس جائے اگر خوئے شرار
ہو گئیں بیدار وہ قومیں جو شبنم طبع تھیں
جن کی نرمی پہ تجھے حاصل تھا پورا اختیار

یہ زمانہ اب پلٹ کر بھی نہ دیکھے گا تجھے
گوندھتا ہے کون مرجھائے ہوئے پھولوں کے ہار
جن میں رکھے تھے چھپا کر تو نے نشتر تیز تیز
خود بخود وہ آستینیں ہو رہی ہیں تار تار
دیکھ! وہ تہذیب سے تہذیب ٹکرانے لگی
امن مجھ کو چاہیئے ہر قوم چلانے لگی
امن کا مرکز جہاں میں دامنِ اسلام ہے
ہاں! وہی اسلام جو تیرے یہاں بدنام ہے
امن ناممکن محمدؐ کی غلامی کے بغیر
جن کی رحمت، جن کی شفقت اس جہاں میں عام ہے
منزلِ اخلاق کو سمجھی ہے تو دشوار تر
اور یہاں پردہ بقدرِ وسعتِ یک گام ہے
فتح مکہ میں کیا تھا قاتلوں کو بھی معاف

یہہ رواداری فقط اسلام ہی کا کام ہے
حرف "الّا اللہ" خود ہے خیر و برکت کا ثبوت
ہر بھلائی کا عمل اسلام ہی اسلام ہے
پھر نئے سر سے جہاں میں انقلاب آنیکو ہے
پھر حرا کے غار سے حق کا خطاب آنیکو ہے
ایک صف میں کردئیے تھے جس نے فاروقؓ و بلالؓ
پھر زمانہ میں وہ دورِ کامیاب آنیکو ہے
اے مشامِ جانِ فطرت صد سلام و صد درود
پھر حجازی باغ سے بوئے گلاب آنیکو ہے
نہر زرقا [1] سے ہواؤں نے بھری ہیں چھاگلیں
گلشنِ ہستی مبارک ہو سحاب آنے کو ہے
پھر حجازی میکدے سے شورِ "الکوثر" اٹھا
تشنہ کاموں کی طرف دورِ شراب آنے کو ہے

[1] مدینہ منورہ کی نہر کا نام

بارک اللہ! غازۂ توحید پھر ہوگا عطا
اے عروسِ دہر خوش ہو جا شباب آنے کو ہے

دیکھنا! پھر کفر کے خیبر میں ہل چل پڑ گئی
زندگی بن کر جلالِ بوترابؓ آنے کو ہے

بدر کے میداں میں رکھدی جس نے بُنیادِ حیات
وہ جلالت پھر بہ رنگِ انقلاب آنیکو ہے

شکر ہے ماہر کی کوشش ہو رہی ہے کامیاب
میری نظموں کا مدینہ سے جواب آنیکو ہے

گلگشتِ خیال

کھڑے ہوئے ہیں مُغبچے گلُابیاں لئے ہوئے
گلابیوں کے سایہ میں جوانیاں لئے ہوئے
یہ مستیوں کی بارشیں یہ حسن کی نوازشیں
فروغِ مے سے ہر جبیں ہے سُرخیاں لئے ہوئے
یہ کس کا دستِ ناز ہے جو محوِ انتظار ہے
ہری ہری، ٹُبک ٹُبک گلوریاں لئے ہوئے
رواں دواں ہیں چار سُو حسین و شوخ چھوکرے
شراب سے بھری ہوئی صراحیاں لئے ہوئے

یہ کس کی زُلفِ مشکبو بکھر رہی ہے چار سُو
مرے گناہِ عشق کی سیاہیاں لئے ہوئے

شراب کو نہ کچھ کہو شراب پھر شراب ہے
خنک ہوا کی موج بھی ہے گرمیاں لئے ہوئے
مرا خیال آ گیا مجھے کہاں لئے ہوئے

غزلیات

مسرت و شادمانی

آپ کے غم کی مہربانی سے
دل ہے بیزار شادمانی سے

ایک لمحہ بس ایک ساعتِ کیف
چاہتا ہوں تری جوانی سے

میری رونے پہ مسکراتے ہیں
آگ برسا رہے ہیں پانی سے

میں تو کیا حشر مانگتا ہے پناہ
یہ تیری اٹھتی ہوئی جوانی سے

لے لیا ہے فضائے محشر نے
ایک ٹکڑا میری کہانی سے

آرزو کو سمجھ رہا ہے رقیب
تنگ ہوں دل کی بدگمانی سے

دل ہے بے چین رات دن ماہر
فائدہ ایسی زندگانی سے

برق نظر

دل کو وہ برق نظر یاد آیا
عکس کو آئینہ گر یاد آیا

تیری بھیگی ہوئی پلکوں کے نثار
کیا مرا سوزِ جگر یاد آیا

میں نے مانا کہ ہے جنت دلکش
کوچۂ یار اگر یاد آیا

پھر شب ہجر نے کروٹ بدلی
پھر ترا خوابِ سحر یاد آیا

رُخ کو بے پردہ کئے جاتے ہیں
کون مایوس نظر یاد آیا

نغمہ و فریاد

ساقی نے جسے مست نگاہوں سے پلادی
اُس کے لئے جنت ہے بیاباں ہو کہ وادی

ہاں! پھر تو کہو "ہم نے تجھے داد وفا دی"
تم نے تو مرے دل کی کہانی ہی سنا دی

اک بار تجھے عقل نے چاہا تھا بھلانا
سو بار جنوں نے تری تصویر دکھا دی

پھیرا مجھے انکار سے اقرار کی جانب
اک شمع کو روشن کیا اک شمع بجھا دی

اللہ رے! ترے وصل و جدائی کے کرشمے
دوزخ بھی دکھا دی مجھے جنت بھی دکھا دی

اے بادِ چمن! تجھ کو نہ آنا تھا قفس میں
تو نے تو مری قید کی میعاد بڑھا دی
وہ چین سے بیٹھے ہیں مرے دل کو مٹا کر
یہ بھی نہیں احساس کہ کیا چیز مٹا دی
لے دیکھ ترے دامنِ امید میں ماہرؔ
اک چیز جوانی تھی، جوانی بھی لٹا دی

سوزِ محبت

دُنیا میں یہ کیوں سوزِ محبت کی کمی ہے
شاید مری فریاد کی لے ٹوٹ گئی ہے

اے اہلِ جہاں اب میری دنیا ہی نئی ہے
مرنے کا مجھے غم ہے، نہ جینے کی خوشی ہے

جب میری نظر اُن کی نگاہوں سے ملی ہے
دُنیائے محبت کی فضا جھوم گئی ہے

آنکھیں مری نمناک ہیں، ہونٹوں پہ ہنسی ہے
یہ بھی ترے انداز کی فردوس گری ہے

وہ جا بھی چکے حُسن کی پرچھائیں دکھا کر
اور میری جبیں در پہ جھکی ہے تو جھکی ہے

اے دلِ تری بیتابیِ پیہم کے تصدق!
اُن شوخ اداؤں کا بھی انداز یہی ہے
اب حُسن بھی تکلیفِ تجلّی سے ہے آزاد
اب عشق وہاں ہے کہ جہاں بے خبری ہے
فریاد کی فریاد، کہانی کی کہانی!
وہ بات جو بے تاب نگاہوں نے کہی ہے
دریائے محبت میں نہ کشتی ہے نہ ساحل
اے جرأتِ ناشاد! کسے ڈھونڈ رہی ہے
اللہ رے! اک جرعۂ صہبا کی کرامت
بجلی سی رگ و پے میں مری دوڑ گئی ہے
اُس بزم کو یارب نظرِ بد سے بچانا
وہ بزمِ طرب، جس میں کہ ماہر کی کمی ہے

دیر و حرم

زمانہ میں آرام و راحت کہاں ہے
یہاں آسماں ہے، وہاں آسماں ہے
میں قایل ہوں دیر و حرم کا بھی لیکن
ترا آستاں پھر ترا آستاں ہے
محبت کے رہرو کو تنہا نہ سمجھو
طلب راہبر ہے جنوں پاسباں ہے
قفس سے ہی اب ہم نشیں دل لگا لے
یہی گلستاں ہے، یہی آشیاں ہے

گناہوں سے مجھ کو ڈراتا ہے واعظ
ابھی تو مری ہر تمنا جواں ہے،

میں اُس طبعِ نازک پہ شیدا ہوں ماہر
کہ حرفِ تمنا بھی جس پر گراں ہے

تاثرات

آرزو اک فریبِ باطل ہے
عشق خود عشق ہی کا حاصل ہے

عیش و غم سے فراغ حاصل ہے
بے حسی پوجنے کے قابل ہے

درد میں کچھ سکون پاتا ہوں
زہر بھی کیا دوا میں شامل ہے

مختلف ہیں حیات کے پہلو
موت اک زندگی کی منزل ہے

عیش اک وہم، رنج و درد خیال
زیست کا ہر نظام باطل ہے
دل ہے اور انتظار وعدۂ دوست
میں ہوں اور بندگی کا حاصل ہے
نبضِ امید چھٹ گئی شاید
آج دل کیوں سکوں پہ مائل ہے
میں ہوں اور موجِ بحرِ غم ماہرؔ
غم کشتی نہ فکرِ ساحل ہے

سکون و اضطراب

جی میں آتا ہے کہ نظمِ دہر برہم کیجیے
اضطرابِ دل سے پیدا اور عالم کیجیے

روئیے خونِ جگر، یا آہ پیہم کیجیے
دل کی بربادی کا کس عنواں سے ماتم کیجیے

وسعتِ کون و مکاں بھی تنگ آئے گی نظر
عشق کے گر ایک سجدے کو مجسم کیجیے

بزمِ ہستی ایک ہی جنبش میں برہم ہو گئی
آپ سے کس نے کہا تھا زلف برہم کیجیے

دیکھیے اچھی نہیں ہے گلرخوں سے دوستی
حضرت ماہر! ذرا اس شوق کو کم کیجیے

انجمن خیال

کس قیامت کی گھٹا چھائی ہے
دل کی ہر چوٹ ابھر آئی ہے
میں ترے حُسن تصور کے نثار
ہر جگہ انجمن آرائی ہے
آج ایک ایک سرشک خوں میں
دل کی تصویر اُتر آئی ہے
درد بدنام، تمنا رُسوا

عشق رسوائی ہی رسوائی ہے

اُس نے پھر یاد کیا ہے شاید
دل دھڑکنے کی صدا آئی ہے

میں ہوں اور کشمکشِ دردِ فراق
وہ ہیں اور شوقِ خود آرائی ہے

زلف و رخسار کا منظر توبہ
شام اور صبح کی یکجائی ہے

ہم سے چھپ چھپ کے سنورنے والے
چشم آئینہ تماشائی ہے

دل تمنا سے ہے کتنا بیزار
ٹھوکریں کھا کے سمجھ آئی ہے

حسن و مستی کو جدا کون کرے
تو ہے یا یہ تری انگڑائی ہے

میری راتوں کا اُجالا ہی کیا
چند تاروں سے شناسائی ہے
تم سے ماہرؔ کو نہیں کوئی گلہ
اُس نے قسمت ہی بُری پائی ہے

آب و آتش

دید کے قابل مریضِ ہجر کا انجام ہے
جانب در ہے نظر، لب پر کسی کا نام ہے
کیوں مری غمناک حالت موردِ الزام ہے
آنکھ میں آنسو نہیں ہے، ضبط کا پیغام ہے
عشق ہی آغاز میرا، عشق ہی انجام ہے
میری فطرت بے نیاز گردشِ ایام ہے
اُف تری مخمور آنکھوں کی نشاط انگیزیاں
میری بے ہوشی ابھی تک بے نیاز جام ہے
حُسن کو گر بے وفا میں نے کہا تو کیا ہوا
کیوں خفا ہو حُسن کیا کوئی تمہارا نام ہے

ہم نشیں! مجھ کو نہیں راحت سے کوئی دشمنی
دل کو کیا کہئے کہ ظالم خوگرِ آلام ہے

دل کی دھڑکن، سانس کی آوازہ جنبشِ نبض کی
ہر صدا اپنی جگہ اک یار کا پیغام ہے

کر رہی ہے در حقیقت کام ساقی کی نظر
میکدے میں گردشِ ساغر برائے نام ہے

ہے عبارت ہستی، انساں خیال و وہم سے
آدمی کچھ بھی نہیں اک پیکرِ اوہام ہے

فطرتِ شاعر ہے ماہرؔ مہبطِ اسرارِ حق
شعر کہتے ہیں جسے الہام ہے الہام ہے

سوز و ساز

کوئی جہاں میں تیری مثال لا نہ سکا
مرا جنوں بھی تجھے آئینہ دکھا نہ سکا

چمن میں سوگ ہے اُس بدنصیب غنچہ کا
جو ایک رات بھی جی بھر کے مُسکرا نہ سکا

تری نگاہ پہ ثابت ہوا نہ جُرم کوئی
ترے خلاف کوئی دل گواہ لا نہ سکا

ترے شباب کا عالم ارے خدا کی پناہ!
وہ جوش تھا کہ جسے تو بھی خود دبا نہ سکا

نہ اس قدر بھی پشیمانِ جستجو ہو کوئی
میں جس کو ڈھونڈنے نکلا، اُسی کو پا نہ سکا

ترے خیال نے بے چین کر دیا جس کو
کوئی خیال اُسے مطمئن بنا نہ سکا

زمانہ بھر کو تباہ و خراب کر ڈالا
تری نظر پہ مگر کوئی حرف آ نہ سکا

وُہ دادخواہِ محبت ہے آج خود تجھ سے
کبھی جو حرفِ شکایت زباں پہ لا نہ سکا

میں خاک اُس سے اُمید کرم رکھوں ماھر
دوبارہ جو دلِ افسردہ کو دکھا نہ سکا

تابشِ خیال

سُورج میں ضوفگن ہیں نہ بدر و ہلال میں
وہ تابشیں جو خاص ہیں تیرے جمال میں

اس طرح جلوہ گر ہے وہ بزمِ مثال میں
جس طرح اک حقیقتِ پنہاں خیال میں

ہاں پھر! اُسی تبسمِ پنہاں کی اک جھلک
ہاں! اور اک اضافۂ رنگیں جمال میں

اے برقِ طُورِ حُسن مری لغزشیں معاف
گھبرا گئی نگاہ ہجومِ جمال میں

آشوبِ دہر نے ترے دامن میں لی پناہ
تو نے پناہ لی مری بزمِ خیال میں

نیرنگیٔ جنونِ محبت کی خیر ہو
باقی رکھا نہ فرق، فراق و وصال میں

بھیجا مجھے جہاں میں کسی کے خیال نے
دُنیا سے جا رہا ہوں کسی کے خیال میں

ماہرؔ سرِ نیاز ہمیشہ جھکا رہے
ڈوبی رہے جبیں عرقِ انفعال میں

جذبات

فطرتِ پابند کو ہر قید سے آزاد کر
زندگی اُجڑا ہوا گھر ہے اسے آباد کر
ہم نشیں! میری طرح تو بھی چمن کو بھول جا
جب قفس میں ہے تو پاسِ خاطرِ صیاد کر
میرے ذوقِ حُسن نے دیں تجھ کو بزم آرائیاں
یاد کر او فتنہ ساماں! وہ زمانہ یاد کر
پھر وفا کیشی پہ میری دے نیا حکم سزا
منتظر ہوں پھر لبِ نازک سے کچھ ارشاد کر

خامشی کو حاصلِ شیون بنا اے ہمنوا!
جا ابھی کچھ اور مشقِ نالہ و فریاد کر
پھر بنا ماہرؔ کو ممنونِ نوازشہائے خاص
او ستم ایجاد! پھر کوئی ستم ایجاد کر

دوآتشہ

(۱)

دلِ رخصتِ آہ چاہتا ہے
اقدامِ گناہ چاہتا ہے

اے رہروِ منزلِ محبت!
ہر ذرہ نگاہ چاہتا ہے

زاہد بھی کرم کا شور سُن کر
توفیقِ گناہ چاہتا ہے

دل ضبطِ فغاں سے تنگ آکر
نالوں کی پناہ چاہتا ہے

ماہر، دلِ زار پر ترس کھا
تجھ سے نباہ چاہتا ہے

(۲)

اک سانس کو آہ کر لیا ہے
بھولے سے گناہ کر لیا ہے

جب ہجر میں لی ہے میں نے کروٹ
تاروں کو گواہ کر لیا ہے

پھولوں کی ذرا روش تو دیکھو　　کانٹوں سے نباہ کر لیا ہے

تم پر تو نہ آہ کا چلا زور　　ہاں! دل کو تباہ کر لیا ہے

جب دل پہ مری چھری چلی ہے　　دل ہی کو گواہ کر لیا ہے

دل نے تری دیکھ کر نظر کو　　اقرارِ گناہ کر لیا ہے

دیدار کی کیوں ہوس ہے ماہرؔ
کیا دل کو نگاہ کر لیا ہے

دو شعر

بارہا تیری نوازش نے جسے تھام لیا
اُس نے کچھ سوچ کے پھر آج ترا نام لیا

نبضِ دل ڈوبتی جاتی ہے، طبیعت ہے نڈھال
مجھ سے پھر دردِ محبت نے کوئی کام لیا

موجِ کوثر

اک اُچٹتی نگاہ ڈال گئے
گر رہا تھا، مجھے سنبھال گئے

حشر کو روزِ دید ٹھہرا کر
آج کی بات کل پہ ٹال گئے

دل دیا، دل کو لذتِ غم دی
ساری آفت مجھی پہ ڈال گئے

اپنی اک اک ادا کی چاہی داد
میری باتیں ہنسی میں ٹال گئے

اس ادا سے وہ بے نقاب ہوئے
ایک پردہ نظر پہ ڈال گئے

مجھ کو بیدل بنا کے وہ ماہرؔ
حسرتِ زندگی نکال گئے

احساسات

ترے ہونٹوں پہ ہلکی سی ہنسی معلوم ہوتی ہی
مجھے سچ مچ بنفشہ کی کلی معلوم ہوتی ہی
میں روتا ہوں ستمگر کو ہنسی معلوم ہوتی ہی
ابھی دردِ محبت میں کمی معلوم ہوتی ہی
ترے کوچے میں جھرمٹ ہے شہیدانِ محبت کا
یہاں تو زندگی ہی زندگی معلوم ہوتی ہی
جو تم سے ہو سکے تو صرف دم بھر کو ٹھہر جاؤ
مجھے یہ سانس شاید آخری معلوم ہوتی ہی
وہ چلتے ہیں تو سبزہ ہر قدم پر لوٹ جاتا ہی
وہ چھوتے ہیں تو کلیوں کو ہنسی معلوم ہوتی ہی

تمھارا دل کسی بے تاب دل کا حال کیا جانے
تمھیں تو عاشقی اک دل لگی معلوم ہوتی ہے

تمنا پاک دل معصوم فطرت کس قدر سادہ!
محبت سادگی ہی سادگی معلوم ہوتی ہے

دل بے تاب کی مجبوریاں اور آہ، کیا کہیے
ترے غم سے بڑی شرمندگی معلوم ہوتی ہے

مرا افسانۂ پر درد بھی تاثیر رکھتا ہے
وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو نیند سی معلوم ہوتی ہے

وہی دھندلی کرن امید کی جو تم نے بخشی تھی
مجھے چاروں طرف پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے

مری بے تابیٔ دل کا فسانہ سن کے فرمایا
تری ہر بات ماہر شاعری معلوم ہوتی ہے

عرفانِ محبت

کیا ظلم کا باقی کوئی عنواں نہ رہیگا
مرنا بھی ترے ہجر میں آساں نہ رہیگا

آمادۂ فریاد ہے مجبورِ محبت
اب دل کوئی ناواقفِ عرفاں نہ رہیگا

اُس وقت وہ فرمائیں گے تکلیف مداوا
جب درد مرا قابلِ درماں نہ رہے گا

ہر دل ہے تری زلف مسلسل کا پرستار
کیا کوئی زمانہ میں مسلماں نہ رہے گا

اے ہم نفسو! اتنے بھی بے تاب نہ ہو جاؤ
زنداں نہ رہے گا کہ گلستاں نہ رہیگا

کیا اب مری قسمت میں نہیں زیست کی توفیق
کیا درد ترا سلسلہ جنباں نہ رہیگا

دل ہی سے ہے وابستہ یہ ہنگامہ ہستی
ڈوبا یہ سفینہ تو یہ طوفاں نہ رہے گا

اُس روز قیامت ہی گذر جائیگی ماہرؔ
جس روز مرا حال پریشاں نہ رہیگا

عشرتِ مختصر

اُس کی پہلی نظر کو کیا کہئے — عشرتِ مختصر کو کیا کہئے

درد ہی اب ہے زندگی دل کی — زحمتِ چارہ گر کو کیا کہئے

اُن کے آنے کا ہے یقیں لیکن — حسرتِ بام و در کو کیا کہئے

ہر طرف درد کی خدائی تھی — شامِ غم کی سحر کو کیا کہئے

ایک عالم کو کر دیا معذور — سعیٔ آئینہ گر کو کیا کہئے

عشق کی موت کس کو ملتی ہے — فطرتِ نوحہ گر کو کیا کہئے

سرزمینِ دکن ہے اور ماہرؔ

قدرِ اہلِ ہنر کو کیا کہئے

وصل و ہجر

انساں کو بارِ عشق کا حامل بنا دیا
ذرہ کو غیرتِ مہ کامل بنا دیا

اُس جذبۂ لطیف کے قربان جائیے
جس نے کہ ہجرِ دوست سے واصل بنا دیا

احساس ذوقِ دید ہے بے تابیاں بھی ہیں
تو نے مری نگاہ کو بھی دل بنا دیا

اب دل جلوں سے قصۂ تخلیقِ دل نہ پوچھ
آسانیِ حیات کو مشکل بنا دیا

وہ ابتدائے عشق بھی کیا دلفریب تھی
جس نے مآلِ کار سے غافل بنادیا

دیں تو نے انفعال و تاثر کی قوتیں
دل کیا بنایا جو ہر قابل بنادیا

ماھرؔ مرے نصیب میں آیا خوشا نصیب
وہ غم جسے نشاط کا حاصل بنادیا

رباعی

یہہ قوسِ قزح ہے اور وہ تارے ہیں
غم ہائے نشاط ہی کے سب مارے ہیں
اُمید کے خوشنما کھلونوں کو نہ چھُو
تو پھُول سمجھتا ہے یہ انگارے ہیں

وہ اور مجھے اپنا دیدار دکھا دیتے
اک پردہ جو اٹھ جاتا سو پردے گرا دیتے
وہ مجھ کو ز سر تا پا نظارہ بنا دیتے
آنکھوں نے جو دیکھا ہے، دل کو بھی دکھا دیتے
میری بھی طرف ہنس کر نظروں کو اٹھا دیتے
اوروں کو پلائی تھی مجھ کو بھی پلا دیتے
جب اتنی نوازش کی کچھ اور کرم کرتے
ہاتھوں کی لکیروں کو پیمانہ[2] بنا دیتے

[1] میری نظم کا عنوان ۔ [2] تلمیح

جب اُن کو مجھے اپنی محفل میں بلانا تھا
پہلے مری نظروں کو آداب سکھا دیتے
گر کچھ بھی خبر ہوتی انجام گلستاں کی
ہم اپنے نشیمن کو خود آگ لگا دیتے
جب آنکھ کو بخشی تھی محدود توانائی
جلووں کی فضا کو بھی محدود بنا دیتے
اے کاش! کوئی ہوتا دنیا میں نظر والا
ہم شعر میں ماہر کی تصویر دکھا دیتے

تاروں کو فلک پہ جگمگاتے دیکھا
کلیوں کو چمن میں مسکراتے دیکھا
جگنو کی چمک دمک بھی دیکھی ماہر
دھوکے میں خودی کے سب کو آتے دیکھا

بادہ وساغر

سجدہ گہ ساقی کا پائے ناز رہنا چاہئے
بیخودی میں ہوش کا انداز رہنا چاہئے

جانے کب ہو جائیں سازِ دل کے پردے نغمہ ریز
ہر نفس گوش بر آواز رہنا چاہئے

ہوگئے بیدار احساس غرورِ حُسن سے
وہ کہ جن کو محوِ خوابِ ناز رہنا چاہئے

کیا خبر کب ہو نسیم کوئے جاناں کا گذر
ہر گھڑی دل کا دریچہ باز رہنا چاہئے

عشق پر ہے احترامِ حُسن ہر حالت میں فرض
ہوش کو وقفِ نگاہِ ناز رہنا چاہئے

فتنہ گر! پہلی نظر ہی میں نہ دل ہو جائے خاک
رحم کر! آغاز کو، آغاز رہنا چاہئے

جستجو اک وہم باطل، کوششِ افشا فضول
زندگی ہے راز اس کو راز رہنا چاہئے

ساغرِ اشعار میں ماہرؔ بہ عنوانِ خیال
بادۂ خمخانۂ شیراز رہنا چاہئے
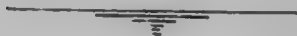
مجاز و حقیقت

مجاز ہی کو حقیقت بنائے جاتے ہیں
وہ ہیں کہ ساری خدائی پہ چھائے جاتے ہیں
عجیب شان سے جلوے دکھائے جاتے ہیں
مجھی سے چھپ کے، مجھی میں سمائے جاتے ہیں
مشاہدات کی دنیا بسائے جاتے ہیں
تحیرات کے سکے بٹھائے جاتے ہیں
تجلیوں کے فسانے سنائے جاتے ہیں۔
خموش ہیں، وہ، مگر مسکرائے جاتے ہیں

نہیں ہیں دامنِ گُل پر یہ اوس کے قطرے
سحر کا وقت ہے موتی لٹائے جاتے ہیں

رکھا گیا ہے اُنہیں کا لقب مہ و خورشید
تری نگاہ کے کچھ نقش پائے جاتے ہیں

خدا کرے کہ نہ کم ہو بہارِ میخانہ
یہ بزم وہ ہے جہاں بن بلائے جاتے ہیں

فسانہ اُن کی نگاہوں کا کیا کہوں ماہرؔ
ابھی وہ تیر کلیجے میں پائے جاتے ہیں

پردۂ درمیاں

اُٹھ بھی آ فرازِ لامکاں سے
اٹھا دے یہ بھی پردہ درمیاں سے
اُسے پروا نہیں دیر و حرم کی
جسے نسبت ہے تیرے آستاں سے
وہی آغاز ہے راہِ طلب کا
قدم آگے نہ پھر اٹھیں جہاں سے
پئے تسکینِ دل جنت کے خالق!
وہاں کا ایک نظارہ یہاں سے

تصور اور تری کافر نظر کا
تعلق اور برقِ بے اماں سے
طلب کرتا ہوں دادِ سخت جانی
بلائیں مانگتا ہوں آسماں سے
جسے شعر و ادب کہتے ہیں ماہر
عبارت ہے مرے حُسنِ بیاں سے

درد وکیف

ہر نفس میں دل کی بیتابی بڑھاتے جائیے
دور رہ کر بھی مرے نزدیک آتے جائیے

اک ذرا تھم تھم کے پردے کو اٹھاتے جائیے
دیکھنے والوں کی نظریں آزماتے جائیے

میرے اس ظلمت کدے کو جگمگاتے جائیے
ہو سکے تو میری خاطر مسکراتے جائیے

پھر اُسی انداز سے نظریں ملاتے جائیے
حوصلے دردِ محبت کے بڑھاتے جائیے

رفتہ رفتہ خود کو دیوانہ بناتے جائیے
حُسن کی دلچسپیوں کے کام آتے جائیے

رہ گیا ہے آرزو کا اک لرزتا سا چراغ
جاتے جاتے آج اسکو بھی بجھاتے جائیے

عقل کہتی ہے دوبارہ آزمانا جہل ہے
دل یہ کہتا ہے فریب دوست کھاتے جائیے

کفر و ایماں کے سوا بھی کچھ مناظر اور ہیں
اُن کے ہر انداز پر ایمان لاتے جائیے

آ ہی جائے گا کوئی قسمت کا مارا قیس بھی
ہر طرف دامِ رُخِ لیلیٰ بچھاتے جائیے

میں نے کچھ فطرت ہی پائی ہے عجب مشکل پسند
میری ہر مشکل کو مشکل تر بناتے جائیے

پھر نگاہوں کو تجلّی کی ضرورت ہی نہ ہو

ایک بجلی آج ایسی بھی گراتے جائیے
یاد ہے ماہر مجھے اُن کا وہ کہنا یاد ہے
آج تو بس رات بھر غزلیں سناتے جائیے

دو شعر

رسوا ہوا ہے درد محبت کہاں کہاں
ثابت ہوئی ہے اُن کی ضرورت کہاں کہاں
آنکھیں اداس، روح پریشان، دل نڈھال
برپا ہوئی ہے ایک قیامت کہاں کہاں

کیف و مستی

ساقی کی نوازش سے گردش میں ہے پیمانہ
ہاں لغزشِ مستانہ! اک سجدۂ شکرانہ

مقصودِ محبت کا کعبہ ہے نہ بتخانہ
دھوکے میں نہ آجانا اے ہمتِ مردانہ

رفتار میں لغزش ہے، انداز ہے مستانہ
سرتا بقدم بن کر آئے ہیں وہ میخانہ

تم نے ہی پکارا تھا اک دن مجھے دیوانہ
تم ہی نے سنایا تھا مجھ کو مرا افسانہ

اللہ رے! مرے ذوقِ بجید کی فراوانی
آیا مرے حصہ میں چھلکا ہوا پیمانہ

منزل میں محبت کی ہستی ہی رکاوٹ ہے
کل بزم میں کہتا تھا جلتا ہوا پروانہ

کچھ عکس ہیں ساقی کی مخمور نگاہوں کے
شیشہ ہے نہ بادہ ہے، مینا ہے نہ پیمانہ

میں روزِ ازل ہی سے پامالِ حوادث ہوں
نادیدۂ عشرت ہے ماہر مرا غم خانہ

(۱)

میرے حالِ دل کی کس صورت سے رسوائی ہوئی
روک لی ظالم نے ہونٹوں پر ہنسی آئی ہوئی

(۲)

یاد جب ایامِ رفتہ کی کہانی آ گئی۔
دیکھتا کیا ہوں کہ ہر شے پر جوانی آ گئی

شوقِ دیدار

مرا شوقِ دیدار بھر جوش پر ہے
یہاں سے وہاں تک نظر ہی نظر ہے
خدا کیلئے اک ذرا مسکرا دو
شبِ غم کو پھر انتظارِ سحر ہے
مرے ذوقِ سجدہ کا عالم نہ پوچھو!
نظر آسماں پر جبیں خاک پر ہے
ادھر آرزوئیں، اُدھر آرزوئیں
جوانی کی منزل بہت پر خطر ہے

زباں پر مری آ کے جو رہ گیا تھا
وہ افسانہ اب کو بکو در بدر ہے

مرے حال پر اور اتنی نوازش!
وہ کیوں مہرباں ہیں، خدا کو خبر ہے

جو چمکی تھی فاران کی چوٹیوں پر
وہ برقِ صفا آج تک جلوہ گر ہے

تمہاری عنایت سے ناشاد ماہر
شہیدِ تبسم، قتیلِ نظر ہے

انتخاب

مانا مقامِ عشرتِ ہستی بلند ہے
میں دل کو کیا کروں کہ اسے نا پسند ہے

تم کو حجاب مجھ کو تماشا پسند ہے
میری نظر، تمہاری نظر سے بلند ہے

آنکھوں میں آچکی ہے محبت کی واردات
طوفانِ بے پناہ، پیالوں میں بند ہے

اب اُن کا انتخاب کرے گا یہ فیصلہ
الفت بلند ہے کہ تمنا بلند ہے

ماؔہر ازل میں دل نے کیا غم کا انتخاب
اُن کی خطا نہیں ہے یہ دل کی پسند ہے

مخمور بنا دے، مجھے سرشار بنا دے
آنکھوں سے پلا دے کبھی ہونٹوں سے پلا دے
ہاں پھر اُسی انداز سے اس دل کو دکھا دے
کچھ اور مری زیست کے لمحوں کو بڑھا دے
کچھ آپ بھی پی اور کچھ اُس کو بھی پلا دے
ساقی کی نگاہوں سے نگاہوں کو ملا دے
اُس در پہ بہ ہر حال ہے سجدے کی ضرورت
گر دل نہیں جھکتا ہے تو گردن ہی جھکا دے

یہہ رات یہ تنہائی کا عالم ارے توبہ!
ایسے میں کوئی کاش! مجھے زہر پلا دے
کونین میں تھا تیرا کہیں بھی نہ ٹھکانا
اے درد! مرے قلب کی ہمت کو دعا دے
اُس کے ہی تصور میں ہے اشکوں کی رَانی
جو ایک تبسم میں زمانہ کو ہنسا دے
وہ جانِ جہاں یاس کی ظلمت سے ہے مانُوس
اے درد! تمنا کے چراغوں کو بجھا دے
تا آہ رہی نہیں ایک جہاں کو ہے شکایت
اے کاش! وفا کی تجھے توفیق خدا دے

فردوسِ خیال

وہ کیوں نہ ہر نظر میں ہو تابِ نظر فروش
ذرے ہیں جس کی راہ کے شمس و قمر فروش
بڑھ جائیں گی کچھ اور بیاباں کی وسعتیں
جوشِ جنوں رہا جو یونہی بام و در فروش
"دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"
تو دشنہ در نگاہ ہیں تو آتشِ جگر فروش
کانٹے نگاہ گیر ہیں، کلیاں نظر نواز
جلوے ہیں ہر لباس میں ذوقِ نظر فروش
گیسو ہیں اور عارضِ رنگیں کی تابشیں
وہ ایک ہی ادا میں ہیں شام و سحر فروش

ناکامیوں نے حوصلے دل کے بڑھا دیئے
یعنی شکستِ عشق ہے، فتح وظفر فروش

تم سامنے ہو پھر مجھے کیا اور چاہیئے
عکسِ نظر ملیح، تبسم شکر فروش

غم کیا دیا کہ تو نے خزانے لٹا دیئے
ہر چشم اشکبار ہے لعل وگہر فروش

خودداریٔ کمال کی رسوائیاں نہ پوچھ
بازارِ زندگی میں ہے ماہر ہنر فروش

کیفیت

عرصۂ ہستی جنونِ عشق کے قابل نہیں
اس میں وسعت ہے بہت لیکن بقدر دل نہیں

میں نے مانا میری نظریں دید کے قابل نہیں
آپ کے جلوے اگر چاہیں تو کچھ مشکل نہیں

کس لئے پروانہ اپنی جان سے بیزار ہے
شاید اس کو اعتبارِ عشرتِ محفل نہیں

چیر کر ہر خاک کے ذرہ کا سینہ دیکھنا
کون ہے ایسی جگہ جو یار کی منزل نہیں

فصلِ گُل میں مستِ رنگ و بو ہے ہر اہلِ چمن
ایک شبنم ہے کہ جو انجام سے غافل نہیں
منزلِ الفت میں کب کا ہو گیا ہوتا ہلاک
وہ تو یہ کہئے مجھے اندازۂ منزل نہیں
اور کیا ماہر کیا جائے خموشی کے سوا
کس کو حالِ دل سنائیں کوئی اہلِ دل نہیں

محسوسات

وہ نگاہِ مستانہ کچھ جھکی سی جاتی ہے
میری بیخودی شاید آئینہ دکھاتی ہے

سرد ہو گیا شاید سوزِ قلبِ پروانہ
آج شام ہی سے کیوں شمع جھلملاتی ہے

تم کسی کے دل کو بھی کیا دکھا نہیں سکتے
اس طرح کی باتوں سے آس ٹوٹ جاتی ہے

ہر گھڑی گذرتی ہے نزع کی کشاکش میں
کیا مریضِ فرقت کو موت آزماتی ہے

اب تری محبت میں زندگی کی ہر ساعت
یاد بن کے آتی ہے، آہ بن کے جاتی ہے

اس قدر حسیں منظر اور میں تہی آغوش
کیوں دُکھے ہوئے دل کو چاندنی دکھائی ہے

میں تو خیر دشمن ہوں غیر بھی نہیں کچھ خوش
وہ نگاہِ بے پروا کس کے کام آتی ہے

جرأتِ محبت پر مجھ کو خود ندامت ہے
زندگی میں انساں سے چوک ہو ہی جاتی ہے

آدمی تمنا کو خود ہلاک کرتا ہے
ایسی ایک ساعت بھی زندگی میں آتی ہے

برق کی سی چشمک تھی وہ نگاہ بے پروا
اس پہ آرزو کیا کیا حاشیے چڑھاتی ہے

اُس نے ایک دن ماہرؔ مسکرا کے دیکھا تھا
وہ گھڑی محبت کی روز یاد آتی ہے

حُسن و عشق

عشق کی بے تابیاں، تنہائیاں
حُسن کی وہ انجمن آرائیاں
چشمِ ساقی کی اثر فرمائیاں
موجِ مے لینے لگی انگڑائیاں
وہ بھی دل کے ذکر پر ہنسنے لگے
دور جا پہونچیں مری رسوائیاں
کچھ اُمیدیں، کچھ اُمیدوں کے فریب
چند جلوے اور کچھ پرچھائیاں
بھول جائیں وہ تو کوئی کیا کرے!
پھر غنیمت ہیں ستم آرائیاں

آہ پر خفگی نہیں ہے بے سبب
بات کی سمجھی گئیں گہرائیاں
ہر تمنا خون ہو کر رہ گئی
یاد آئیں گی کرم فرمائیاں
موت کی بھی اب جھجک باقی نہیں
کی گئیں وہ حوصلہ افزائیاں
دل کو چسکا پڑ گیا ہے جور کا
مار ڈالیں گی یہہ بے پروائیاں
تم کو رسوا کر نہ دیں ماہر کہیں
چاندنی راتوں کی یہ تنہائیاں

شوق و حسرت

اُن شوخ نگاہوں کے پرستار ہمیں تھے
سر تا بقدم حسرتِ دیدار ہمیں تھے
تیرے لئے ہر لُطف سے بیزار ہمیں تھے
سوئی ہوئی مخلوق تھی بیدار ہمیں تھے
شایانِ مقامِ رسن و دار ہمیں تھے
معراجِ محبت کے طلبگار ہمیں تھے
ہم پہ ہی رہی حُسن کی ہر گرم نگاہی
کیا جُرمِ محبت کے گنہگار ہمیں تھے

جب حسن و محبت کے تعلق پہ نظر کی
محسوس ہوا پردۂ اسرار ہمیں تھے

ڈھونڈا تو وہ کچھ دور نہ تھے حدِ طلب سے
دیکھا تو سرِ رہگذرِ یار ہمیں تھے

فریاد ہے اے خالقِ تقدیرِ دو عالم
کیا تہمتِ ہستی کے سزاوار ہمیں تھے

جس بارِ امانت کو اٹھایا نہ کسی نے
اُس بارِ امانت کے خریدار ہمیں تھے

تا ہر ستمِ دہر کی روداد نہ پوچھو
ہر چیز تھی معصوم گنہگار ہمیں تھے

منزلِ دل پاس بھی اور دور بھی
آدمی مختار بھی، مجبور بھی

اک ذرا قاتل کے تیور دیکھنا!
کچھ پشیماں اور کچھ مغرور بھی

یہ جہانِ آب و گل یہ کائنات
شامِ ظلمت بھی ہے، صبحِ نور بھی

تیشۂ فرہاد سے آئی صدا
جان دینا فرض بھی، دستور بھی

اُن کے جلووں کے بہت سے نام ہیں
برقِ فاراں بھی، چراغِ طور بھی
آپ کی ہستی بھی ماہرِ راز ہے
ملک میں بدنام بھی، مشہور بھی

دل حریفِ مے و میخانہ ہوا جاتا ہے
ہر قدم لغزشِ مستانہ ہوا جاتا ہے

منتشر گیسوئے جانانہ ہوا جاتا ہے
ایک عالم ہے کہ دیوانہ ہوا جاتا ہے

چشمِ ساقی سے جو یارانہ ہوا جاتا ہے
شوق، لذت کشِ پیمانہ ہوا جاتا ہے

آپ اس شانِ تغافل سے کہاں جاتے ہیں
میرا گھر دیکھئے ویرانہ ہوا جاتا ہے

مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں ضبط کی حد ٹوٹ نہ جائے
ہر نفس شوق کا افسانہ ہوا جاتا ہے

وہ بھری بزم میں آئے ہیں جو پیمانہ بکف
شیخ بھی ساقیٔ میخانہ ہوا جاتا ہے

مجھ کو تسکین سی ملتی ہے مسلسل آ کر
دل جو امید سے بیگانہ ہوا جاتا ہے

تری نگاہِ عنایت جو پردہ دار نہ ہو
تو پھر زمانہ میں کوئی گناہگار نہ ہو

خدا کرے کہ اُسے تا ابد سکوں نہ ملے
وہ دل جو تیری محبت میں بیقرار نہ ہو

فسانہ پُوچھ نہ میری خزاں نصیبی کا
چمن میں رہ کے بھی نظارۂ بہار نہ ہو

کیا ہے میں نے سمجھ کر یہ میکدے کا طواف
کہ یہ جگہ بھی کہیں بارگاہِ یار نہ ہو

نہ جی سکے گا کوئی اب تری جفا کے بغیر
خدا کے واسطے، ظالم! وفا شعار نہ ہو

جفائے یار یہ پردہ پڑا رہے ماہر
جو میرے دل میں ہے آنکھوں سے آشکار نہ ہو

دو شعر

فرض تھا دل پر مرے کفارۂ جرمِ نشاط
میں کسی کے جورِ پنہاں کی شکایت کیا کروں
پتلیوں کی آخری گردش کی ساعت آ گئی
آنے والے! آ، میں کب تک راستہ دیکھا کروں

دو شعر

کوئی اس پردے میں سرگرمِ تماشا ہے ضرور
ورنہ بے وجہ نہیں سانس کا آنا جانا
ناامیدی پہ ہے اُمیدِ کرم کی تاکید
حُسن نے عشق کو مجبورِ تمنا جانا

گلہائے پریشاں

سجدۂ عشق کیلئے دیر و حرم کی قید کیا
وہم تعینات ہے کفر مری نماز میں

تکمیلِ عاشقی کی بس دو ہی صورتیں ہیں
محوِ نیاز بن جا، یا بے نیاز ہو جا

قصۂ شوق کی تکمیل ہوئی جاتی ہے
زندگی درد میں تبدیل ہوئی جاتی ہے

گُماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مُغاں
ہنوز بادۂ ناخوردہ، در رگِ تاک است

دورِ ثانی

جو مسلمانانِ دکن کی واحد نمائندہ جماعت اتحادالمسلمین کے عظیم الشان سالانہ اجلاس میں، پچاس ہزار فرزندانِ توحید کے درمیان، نعرہ ہائے تحسین و عقیدت کی گونج میں شاعر کی زبان سے سُنی گئی۔

وہ قوم جو کہ جہاں کی امام بن کے رہی
محمدِ عربی کی غلام بن کے رہی

نماز وہ ہے جو سینہ میں بجلیاں بھر دے
نہ وہ کہ صرف رکوع و قیام بن کے رہی

مری نظر سے کبھی کربلا کی خاک کو دیکھ
افق پہ دہر کے ماہ تمام بن کے رہی
صراحی عقل کی گر ٹوٹ بھی گئی تو کیا
یقینِ عشق کا رنگین جام بن کے رہی
وہ منزلت جسے مغلوں کی یادگار کہیں
دکن میں سطوتِ شاہِ نظام بن کے رہی
وہ سرزمین جو ویران تھی زمانہ سے
خدا کی شان کہ "دارالسلام"[1] بن کے رہی
وہ زندگی جو مقید تھی تنگ غنچوں میں
بہار آتے ہی محشر خرام بن کے رہی
مرا کلام بھی ہے اُسکے فیض کا پرتو
کہ جس کی بات خدا کا کلام بن کے رہی

---

[1] جلسہ گاہ کا نام

صبحِ بہاراں

آل انڈیا مشاعرہ جے پور کی
کامیاب ترین نظم

کانٹوں کی نوکیں رشکِ گلِ تر
پھولوں کا جوبن اللہ اکبر
ہر برگ رنگیں، ہر گل معطر
دلکش تماشا، دلچسپ منظر

صبح بہاراں

کلیوں کی چاندی، شبنم کے گوہر
کرنوں کا سونا، پھولوں کے زیور
کونپل کے جگنو، پتوں کے جھومر
ہر چیز روشن، ہر شے منور
صُبح بہاراں
غنچوں کے تکیے، سبزے کی مخمل
پھولوں کی جھالر، شاخوں کا آنچل
آبِ رواں کی باریک ململ
چمپا کا لچکا، بیلے کی جدول
صبح بہاراں
قمری بھی چنچل، تتلی بھی چنچل
پروازِ پیہم، رقص مسلسل

مستانہ بلبل، بدمست کویل
الفت مجسم، نغمہ مکمل
صبحِ بہاراں

جنت کی نزہت خاشاک و خس میں
کوثر کی موجیں، پھولوں کے رس میں
کلیوں کی سیجیں کنجِ قفس میں
سارا زمانہ مستی کے بس میں
صبحِ بہاراں

ہر سمت شادی، ہر سو مسرت
ہر قطرہ کوثر، ہر ذرہ جنت
سامانِ فرحت، اسبابِ عشرت
مستی، ترنم، خنکی، طراوت
صبحِ بہاراں

ہر شے پہ طاری، اک کیفِ مستی
زاہد کا ایماں صہبا پرستی
ساری خدائی رندوں کی بستی
نغمہ بھی ارزاں، مستی بھی سستی

صبحِ بہاراں

بادِ سحر کیا اٹھلا رہی ہے
پھولوں کے تلوے سہلا رہی ہے
خنکی دلوں کو گرما رہی ہے
ایسے میں اُن کی یاد آ رہی ہے

صُبحِ بہاراں

اقبالؒ
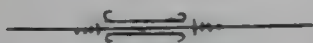
گر توں کو اٹھاتا ہے، سوتوں کو جگاتا ہے
اقبال ترا نغمہ، مُردوں کو جلاتا ہے
تو جرأت و بیبا کی دُنیا کو سکھاتا ہے
کمزور ممولوں کو شاہیں سے لڑاتا ہے
تو شعر کے پردے میں تکبیر سُناتا ہے
تو پھول کی پتی کو تلوار بناتا ہے
جو تیغ کہ چمکی تھی یرموک کے میداں میں
اس تیغ کے جوہر کو شعروں میں دکھاتا ہے

قرآن ترا ایماں، قرآن تری دنیا
تو شعر نہیں کہتا' الہام سناتا ہے

جس نقش کو مغرب کے ہاتھوں نے ابھارا تھا
اس نقش کو مشرق کی ٹھوکر سے مٹاتا ہے

اقبال، محمدؐ کا پیغام سناتا ہے
مرنا بھی سکھاتا ہے، جینا بھی سکھاتا ہے

ایمان کی دولت کو غیروں میں لٹاتا ہے
گنگا کی وہ موجوں کو زمزم سے ملاتا ہے

ٹوٹے ہوئے تاروں کو، بکھرے ہوئے پھولوں کو
اقبال محبت کے ہاتھوں سے اٹھاتا ہے

ہر جبر کی قوت کو، ہر ظلم کی طاقت کو
فاروقؓ کی سطوت کا آئینہ دکھاتا ہے

مغرور امیروں کو معلوم نہیں شاید

اقبال امارت کی بنیاد ہلاتا ہے
جس مے نے کیا زندہ عطارؔ کو رومیؔ کو
اقبال اسی مے کے پیمانے پلاتا ہے
تہذیب فرنگی پر آتی ہے ہنسی اس کو
اسپین کے کھنڈروں پر آنسو بھی بہاتا ہے
پیغام حیاتِ نو دیتا ہے غریبوں کو
دولت کی غلامی سے دنیا کو چھڑاتا ہے
یہ مکر بھری دنیا رہنے کے نہیں قابل
ماہرؔ تجھے جنت میں اقبالؒ بلاتا ہے

رخصت ہونیکے بعد

خلوتِ عیش کا انجام لئے جاتا ہوں
دل میں اک حسرتِ ناکام لئے جاتا ہوں
میں نے اُن مست نگاہوں کا سماں دیکھا ہے
مستیٔ بادۂ گلفام لئے جاتا ہوں
حُسن کی گود میں وہ شعروادب کی تخلیق
فطرتِ حافظ و خیام لئے جاتا ہوں
کتنا دلچسپ ہے ناکام تمنا کا فریب
جیسے میں اک ہوسِ خام لئے جاتا ہوں

خونِ دل خونِ تمنا کی بھلا قیمت کیا!
مفت میں عشرت بدنام لئے جاتا ہوں
دل پہ اُن شوخ اداؤں کا اثر کیا کہئے!
چند ترشے ہوئے اصنام لئے جاتا ہوں
اب نگاہوں کو گھٹاؤں کی ضرورت کیا ہے
پرتوِ زلفِ سیہ فام لئے جاتا ہوں
دل کی آغوش میں اُس شعرِ مجسم کی قسم
ایک دیباچۂ الہام لئے جاتا ہوں
منزلِ ہوش سے گذری نہیں ابتک دنیا
میں کہاں حُسن کا پیغام لئے جاتا ہوں
زلف کے سایہ میں وہ عارضِ رنگیں کا فروغ
کفر کی بزم سے اسلام لئے جاتا ہوں
دل پہ جو بیت رہی ہے وہ کہوں کس کس سے

شوق و اُمید کا کہرام لئے جاتا ہوں
جس کے سایہ میں نکھرتی ہے کرن سورج کی
روزِ اُمید کی وہ شام لئے جاتا ہوں
لوگ مفہومِ محبت سے کہاں واقف ہیں
اپنے سر زہد کا الزام لئے جاتا ہوں
او مجھے دیکھ کے نظروں کو چرانے والے
ہر قدم پر میں ترا نام لئے جاتا ہوں

دھوکا ہے سنسار، سکھی ری! دھوکا ہے سنسار

ڈگمگ ڈگمگ نیّا ڈولے، ٹوٹ گئی پتوار

رین اندھیری دُور کنارا، نیند ہیں کھیون ہار

کون لگائے پار!

سکھی ری! دھوکا ہے سنسار

برکھا رت میں سُوکھ رہی ہے آشا کی پھلوار

اوس سے کلیاں پیاس بجھائیں یہ بھی نہیں ادھیکار[1]

چنتا[2] کا ہو ہار

[1] اختیار ۔ [2] فکر وغم

سکھی ری! دھوکا ہے سنسار
بھونرا کانپے، تتلی تڑپے، ڈالی لچکی جائے
جھرنا رووے، کوئل کوکے، بجلی چین، نہ پائے
بیاکل[1] ہیں نر نار
سکھی ری! دھوکا ہے سنسار

---

[1] بے چین

ممتا کی لاش

کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے۔ مردپی لال اور
اُس کی ماں الاؤ کے کنارے بیٹھے تاپ رہے ہیں

بڑھیا ماں

کئی دن سے میں تجھ کو دیکھتی ہوں
ترا دل کام میں لگتا نہیں کیوں
ابھی تک جانور بھوکے کھڑے ہیں
گھڑے کل شام سے سوکھے پڑے ہیں
تجھے کب فکر ہے سودے سلف کی
نہیں گھر میں نمک کی کنکری بھی

پرانا ہو گیا، آنگن کا چھپّر
مجھے ہر وقت ہے برسات کا ڈر
ذرا پروا نہیں تجھ کو مری جان!
زمیں سے لگ گئی کھاٹوں کی ادوان[1]
تجھے کھیتوں سے دلچسپی نہیں ہے
یہاں پر تو ہے تیرا دل کہیں ہے
اگر کھیتوں کی رکھوالی نہ ہو گی
اجڑ جائے گی ان باتوں سے کھیتی
یہی حالت اگر تیری رہے گی
تو کیا کنبہ کو روٹی مل سکے گی
تجھے بیٹھے بٹھائے ہو گیا کیا!
تجھے کس بات کی چنتا[2] ہے بیٹا!

---

[1] [2] فکر

بیٹیا (سروپی)

میں اس جیون سے اب اُکتا گیا ہوں
تمہارے گاؤں سے تنگ آگیا ہو
نہ دن اچھے یہاں کے اور نہ راتیں
کروں میں کب تلک بیلوں سی باتیں
وہی ہل ہے وہی کھیتوں کی نالی
وہی میں ہوں، وہی کھُرپا کدالی
وہی بارہ مہینے ایک سا کام
مرا اس طرح کے جینے کو پرنام[1]
میں کبتک خون سے کھیتوں کو سینچوں
میں کب تک خاک کو بھگوان سمجھوں
کسانوں کی بڑی قسمت ہے کھوٹی
نہ کپڑا ہی میسر ہے نہ روٹی

[1] سلام

یہاں محنت سے کچھ حاصل نہیں ہے
یہ گاؤں مورکھوں کی سرزمیں ہے
مجھے اب شہر جانا ہی پڑے گا
مقدر آزمانا ہی پڑے گا
وہاں بیوپار بھی ہے نوکری بھی
خوشی بھی آبرو بھی زندگی بھی
وہاں سو طرح کے دھندے ہیں ماتا
وہاں ہر آدمی ہے ان داتا
بھکاری بھی وہاں ہے لاٹ کرزن
وہاں دن رات ہوتی ہے چھنا چھن
وہاں پر کوئی دکھیاری نہیں ہے
وہاں چنتا کی بیماری نہیں ہے
سنی ہے میں نے شہروں کی کہانی

وہاں سے آنے والوں کی زبانی
وہاں پر برف بھی ہے جائے بھی ہے
وہاں ایک ایک بنیا لکھ پتی ہے
وہاں کھاتے ہیں سب ایشور کی سوگند
جلیبی، پوریاں، برفی، قلاقند

ماں :-

میں سمجھی شہر جانے کی ہوس ہے
تجھے دولت کمانے کی ہوس ہے
مگر یہ ڈھول، بیٹا! دور کے ہیں
مجھے ڈر ہے یہ لڈو بور کے ہیں
مری سن جو لے مرے نادان بچے!
یہاں کے گڑ چنے، برفی سے اچھے

خوشی برفی میں پیڑوں میں نہیں ہے
خوشی چاندی کے ڈھیروں میں نہیں ہے

خوشی ریشم کے پردوں میں نہیں ہے
خوشی سونے کی اینٹوں میں نہیں ہے

خوشی ہے دل کے اطمینان کا نام
نہیں دنیا میں یہ دولت بہت عام

خوشی ملتی نہیں ہے مول بیٹا!
میں سچ کہتی ہوں تو بھی بول بیٹا!

یہ اپنے گاؤں کے جنگل کے کانٹے
پرائے دیس کے پھولوں سے اچھے

وہاں پرماتما کیا دوسرا ہے
جو قسمت آزمانے کو چلا ہے

وہاں آکاش اور دھرتی یہی ہے

یہاں گاؤں میں کس شے کی کمی ہے

ہوا پانی، اُجالا، زندگی بھی

تمنا بھی، محبت بھی، خوشی بھی

ہمارے گاؤں شہروں سے بھلے ہیں

ہمارے باپ دادا کہہ مرے ہیں

وطن کی خاک سے پلّو بندھا ہے

یہیں مرنا یہیں جینا بدا ہے

ہمیں لینا نہیں کچھ شہریوں سے

ہمارا گاؤں اچھا کھیت اچھے

کسی کی بھی نہ اب ہرگز سنوں گی

دوالی پر تجھے میں بیاہ دوں گی

چڑھاؤں گی تری شادی میں گہنا

اسی گھر میں بہو کے ساتھ رہنا

بٹیا:-

تمہیں شہروں کی باتوں کی خبر کیا
تمہارا مشورہ ہی کیا نظر کیا
ہمارے گاؤں کے پنڈت کا جو بیٹا
پہنتا ہے کناری دار دھوتی
ہے اُس کے پاس جرابیں بہت سی
سلیپر، بوٹ، عینک بھی گھڑی بھی
وہ صابن سے نہاتا ہے ہمیشہ!
ہے کتنا نوکری دلچسپ پیشہ!
ابھی وہ فوج میں رنگروٹ ہی ہے
ابھی تنخواہ پوری کب ہوئی ہے
نہیں دبتا وہ تھانیدار سے بھی
ہے اُس کی حاکموں میں بھی رسائی

یہ سب کچھ شہر جانے کا اثر ہے
مجھے کیا ساری بستی کو خبر ہے
میں جانے کا تہیہ کر چکا ہوں
سمجھ کر ہی میں آمادہ ہوا ہوں
میں جاتے ہی تمھیں چٹھی لکھوں گا
تمہارا داس[1] بن کر ہی رہوں گا
میں تم کو روپیہ بھیجا کروں گا
میں ہر تیوہار پر آیا کروں گا
مجھے جانے کی ماتا آگیا[2] دو
"تم روپی لال" کہہ کر مسکرا دو
جو ضد کرتے ہوئے بیٹے کو دیکھا
اُٹھی آنکھوں میں آنسو بھر کے بڑھیا
کہا ہونٹوں ہی ہونٹوں میں اُیہ س نے

[1] غلام [2] اجازت

جواں بیٹے کی ہٹ بھی راج ہٹ ہے

سفر کی تیاری

بہت ہی سخت سردی پڑ رہی تھی
ہوئیں تیاریاں اُس کے سفر کی
پھٹی سی ایک دھوتر[1] کی رضائی
بہت میلی کچیلی، اک دلائی
وہ بستر بند اک رسی کا ٹکڑا
پھٹے کرتوں کو بھی اُس میں لپیٹا
چلم کے ساتھ تمباکو کی تھیلی
بڑی ہی شان سے خرجی[2] میں رکھی
انگوچھے میں لپیٹا روٹیوں کو

[1] کھدر کی قسم کا موٹا کپڑا [2] گاؤں والوں کا تھیلا

رکھا اَنٹی میں اُس نے روپیوں کو
اکٹھے ہو گئے بچپن کے ساتھی
کنول، کالی چرن، موہن، مُرارِی
محبت نے بالآخر جوش کھایا
گلے ایک ایک کو اُس نے لگایا
نکل آئیں گھروں سے عورتیں بھی
دعائیں تھیں زباں پر ہر کسی کی
اشارے ہو رہے تھے گھونگھٹوں میں
سروس نوکری کرنے چلے ہیں
وہیں آنگن میں بڑھیا ماں کھڑی تھی
ڈھلک آئی تھی سر کی اوڑھنی بھی
نظر بے چین چہرے پر اُداسی
کہ جیسے دھوپ میں ہرنی ہو پیاسی

وہ اپنے دل ہی دل میں گھٹ رہی تھی

کہ جیسے اُس کی دُنیا لٹ رہی تھی

زمیں کو آسماں کو دیکھتی تھی

جُدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی تھی

جواں بیٹے سے چھٹنا ہو رہا تھا

بڑھاپا چُپکے چُپکے رو رہا تھا

بڑھی وہ اور تھاما اُس کا بازو

ڈھلک کر رہ گئے آنکھوں سے آنسو

سرو پی کی بلائیں لے کے بولی

پلٹنا دیس کو اے لال جلدی

ترا دامن مرادوں سے بھرے گا

تری پربھاتما رکھشا[1] کرے گا

---

[1] حفاظت

شہر میں

جلو میں لے کے اُمیدوں کا دھارا

سرُوپی دیس سے لپنے سدھارا

سینچر کو چلا، منگل کو پہنچا

وہاں جا کر دھرم شالہ میں ٹھیرا

نہا دھو کر کیئے تبدیل کپڑے

"سرُوپی لال جی" بن ٹھن کے نکلے

خریدی راہ میں پیسہ کی ہیڑی

دکاں کے آئینہ میں شکل دیکھی

بڑے بازار کے نکڑ پہ آیا

وہاں اُس کی نگاہوں نے یہ دیکھا

سڑک پر ایک ہلچل سی مچی ہے

دُکانوں میں نمائش سی لگی ہے
رواں ہیں موٹریں بھی لاریاں بھی
دُکانوں پر کھڑی ہیں بگھیاں بھی
درودیوار کھمبے سج رہے ہیں
گراموفون ہر جا بج رہے ہیں
ہیں آنے جانے والوں کے بدن پر
قمیص و شیروانی، کوٹ مفلر
دھوئیں کے بیچ سگریٹ کے شرارے
وہ انداز و نزاکت کے اشارے
بہت ہی شوخ، چنچل لڑکیوں کا
نظر آیا اُسے اک جمگھٹا سا
کھُلے سینوں پہ زلفیں کانپتی تھیں
وہ اک اک کی نگاہیں بھانپتی تھیں

مہکتی ساریوں میں جسم رنگیں
شراب سُرخ در جام بلوریں
کھُلی باہوں کی رنگت چمپئی سی
جبینیں چودھویں کی چاندنی سی
تمازت سردیوں کی دھوپ میں تھی
قیامت لڑکیوں کے روپ میں تھی
برہنہ پنڈلیاں بے باک نظریں
بہت مشاق اور چالاک نظریں
تبسم قہقہے، شوخی، شرارت
جوانی پر جوانی کی حرارت
جواں سینوں میں ہلچل ہو رہی تھی
فضا میں زندگی حل ہو رہی تھی
شباب اپنا اثر دکھلا رہا تھا

کہ سردی میں پسینہ آرہا تھا
سروپی نے یہ کب دیکھے تھے منظر
نظر گاڑے ہوا تھا لڑکیوں پر
وہ اُن سے دُور ہٹ کر چل رہا تھا
مگر رہ رہ کے اُن کو دیکھتا تھا
سپاہی سے ہوئی چلتے میں ٹکر
لگایا اوس نے کس کے دھول سر پر
سروپی چوکنے والا نہیں تھا
رسید اُس نے کیا منہ پر طمانچا
سپاہی نے وہیں سیٹی بجائی
پولس فوراً مدد کو اُس کی آئی
کیا سب نے اُسے مل کر گرفتار
سمٹ آیا وہاں پر سارا بازار

عدالت اور جیل خانہ

عدالت میں ہوا چالان اُس کا
سروپی سامنے حاکم کے پہنچا
پولس نے اور ہی نقشہ جمایا
گرہ کٹ اور آوارہ بتایا
وہاں فائل[1] مرتب ہو چکی تھی
پولس کو کیا گواہوں کی کمی تھی
کہا حاکم نے تم لاؤ صفائی
سروپی کی زباں پر تھا "دہائی"
سروپی نے کہا با چشم گریاں
میں پردیسی ہوں میرا کون یاں ہے

[1] مسل (File)

عدالت نے سزا تجویز کر دی
سدھارا جیل خانہ کو سردپی

ماممتا کی لاش

سردپی نے لکھائی گھر کو چٹھی
خبر بیمار بڑھیا تک جو پہونچی
وہ پہلے ہی غموں سے نیم جاں تھی
خبر سننے کی طاقت ہی کہاں تھی
یہ سننا تھا کہ بس جاتے رہے ہوش
رہی وہ رات بھر بستر پہ خاموش
سمٹ آئی تھیں ماتھے کی لکیریں
اُبھرتی ڈوبتی جاتی تھیں نبضیں
رگیں کھنچتی ہوئیں سینہ میں لرزش

نظر بے نور سی ہونٹوں میں جنبش
خبر بڑھیا کی بیماری کی سُن کے
اکٹھے ہوگئے اپنے پرائے
یہ نازک وقت ہے بھیجو کسی کو
کہا سب نے. بُلاؤ ویدجی کو
محبت کام اپنا کر چکی تھی
طبیب آیا تو بڑھیا مر چکی تھی

ہندوستانی مسلمان سے!

مسلماں صف بصف شانہ بہ شانہ
لرز اٹھا گروہِ کافرانہ

ملا دے ہند کو ارضِ حرم سے
دکھا جرأت بہ طرزِ غازیانہ

ترا ہر شاخِ گلشن ہے نشیمن
ترا ہر سرزمیں میں آب ودانہ

ابھی ہندوستاں بھولا نہیں ہے
ترا پہلا قدم وہ فاتحانہ

نہ جا اس پر کہ دنیا کیا کہے گی
زمانہ کی روش ہے عامیانہ

خدا حاضر ترے قلب و نظر میں
تعارف ہے اگرچہ غائبانہ
ترا جوشِ جنوں منزل بہ منزل
نفس تیرا زمانہ در زمانہ
بسوزِ رومیؒ و اقبالؒ و خسروؒ
ملا ہے مجھ کو جذبِ عارفانہ

کیا چاہیئے!

ہم کو قرآنی حکومت چاہیئے
پاک اور سچی سیاست چاہیئے
ایک صف میں ہوں غریب و مالدار
یعنی فاروقی عدالت چاہیئے

جس نے دُنیا میں سمویا دین کو
اُس پیمبرؐ کی شریعت چاہیئے
غم کا طوفاں بھی گذر ہی جائے گا
مسکرا دینے کی عادت چاہیئے

تقدیرِ ہند

تقدیرِ ہند آج بھی ہے اُن کی منتظر
آئے تھے سرفروش جو کابل کی راہ سے
انسانیت کو خیر کی اُمید ہی نہیں
خاکِ وطن کو پوجنے والی نگاہ سے
دیتی ہیں تاجِ قیصر و کسریٰ کی عظمتیں
انسانِ حق شناس کی طرفِ کُلاہ سے
آزادیٔ وطن کے ارادے بہ اذنِ غیر

یعنی قریب ہو گئی نیکی گناہ سے

تھا دستِ حق پرست میں قرآں کا چراغ

پردہ اٹھا جو ہند کے بختِ سیاہ سے

اکثریت کی فرمانروائی

اکثریت کی حکومت کا فسوں دیکھ لیا

ہم نے انصاف کا بہتا ہوا خوں دیکھ لیا

مشترک قومیتِ ہند کی روداد نہ پوچھ!

اُس کے طوفاں کا ان آنکھوں نے سکوں دیکھ لیا

وہ بھی دراصل ہی جادوئے بنارس کا تھا

صدرِ محفل کا بھی اندازِ جنوں دیکھ لیا

میں نے چلتے ہوئے اُس بزم پہ ڈالی تھی نگاہ

وہ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح بھی کیوں دیکھ لیا

مُسلمان کی دُنیا

منزل مری الگ، مری تہذیب ہی جُدا
کعبہ مری اُمید کا لندن نہ وار دھا

کثرت کا خوف مسلم جانباز کو نہیں
یہ کر دیا ہے بدر کے میداں نے فیصلہ

تہذیب نو کا یہ بھی ہے اک خوشنما فریب
جمہوریت[1] کی آگ سے دامن ذرا بچا

ہندوستاں کو پاک بنانا ضرور ہے
طیبہ میں اس طرف سے گئی تھی خنک ہوا

سارے جہاں کی جس نے فضا کو بدل دیا
قائم ہے آج تک اُسی نغمہ کا سلسلہ

[1] مغرب زدہ جمہوریت

جمہوریت اور علم حاضر

سر گنا کرتے ہیں جمہوریت مغرب میں
اور اسلام کا معیار ہے ایمان و یقیں
ہے مسلمان کے قبضہ میں زمانہ کی بساط
اُس کے پیدل سے بھی کمتر ہے تمہارا فرزیں
مُجھ کو قرآن کی حکمت نے بتایا ہے یہ راز
علم سرتاقدم جہل ہے بے دانشِ دیں
شبِ معراج محمدؐ کے قدم چُومے تھے
آج تک اس لئے روشن ہے نگاہ پروِیں
اُس کی تعظیم کو جھکتے ہیں زمین وافلاک
سجدۂ حق میں جو ہوتی ہے مسلماں کی جبیں

ہندی مُسلمان کا عزم

ضمیرِ ہند کو بیدار کر کے چھوڑوں گا
نگاہِ کُفر کو بیکار کر کے چھوڑوں گا

مچل رہا ہے جو مدت سے راز دل بنکر
میں اُس خیال کا اظہار کر کے چھوڑوں گا

پیامِ حق کے سُنانے کا وقت آپہونچا
جہاں کو واقفِ اسرار کر کے چھوڑونگا

پیامِ خودی

جس قوم کی خودی کے شرارے ہوے ہیں سرد
چھینی گئی ہے اُس سے حکومت کی باگ ڈور

جس قوم کے غلام ہوں فکر و خیال تک

پھونچا دیا ہے اُس کو غلامی نے تا بہ گور

کچھ دن کیواسطے جو ملا اُن کو اقتدار
ظاہر ہوئے ہیں قوم پرستوں کے دل کے چور

رشتۂ ملت

رشتۂ ملت ہے اے جانِ عزیز!
خون کے رشتہ سے بڑھکر اُستوار

دین سے جس سلطنت کا ہو نہ ربط
ہے وہ مومن کے لئے ناسازگار

سرودِ ضمیر

تدبیر کے دامن میں ہے تقدیر کا مقصود

کرتا ہے عمل دہر میں ناپید کو موجود
آزاد بھی ہو جائے تو آزاد نہ ہوگا
ہے خاک وطن جس کی تمناؤں کا معبود
جب تک کہ براہیم کی فطرت نہ ہو پیدا
وجدان بھی آذر ہے، تخیل بھی ہے نمرود
توحید کا پیغام نہ ہندی نہ عراقی
اسلام کے نقشہ میں نہ قندھار نہ جمرود
ایمان کے سایہ میں خطائیں بھی ہیں مقبول
بے جذب یقیں نیکئ اعمال بھی مردود
نمازی کیلئے ننگ ہے آرام کی روزی
شاہیں کی غذا سیب نہ انگور نہ امرود

سوزِ ناتمام

ہو جو احساس تو پتی بھی ہے تلوار کی دھار
چشم بینا ہو تو ذرہ بھی ہے روشن قندیل

امتیں فتنۂ تہذیب سے ہوتی ہیں تباہ
اس میں بابل کے مکیں ہوں کہ بنی اسرائیل

اس سے جنگل کے درندوں کی ہے وحشت اچھی
عصرِ حاضر نے تراشی ہے جو تہذیب جمیل

زندگی نام ہے بس جذبۂ آزادی کا
یہ وہ نکتہ ہے کہ جس کی نہیں ممکن تحلیل

روحِ فرعون کو ہے ضربِ کلیمی کی تلاش
منتظر آج بھی ہے معجزۂ رودِ نیل

اُردو

موجِ کوثر کی طرح نرم و رواں ہے اُردو
طبعِ دشمن پہ مگر پھر بھی گراں ہے اُردو
ہند والوں پہ ضروری ہے تحفظ اس کا
باہمی ربط و محبت کا نشاں ہے اُردو
اس میں ملتی ہے خریدار کو ہر میل کی چیز
علم و آداب کی کیا خوب دکاں ہے اُردو
اس کو چھیڑا تو بکھر جائے گا شیرازۂ دل
ہند ہے جسم تو اس جسم کی جاں ہے اُردو
غالبؔ و مومنؔ و خسروؔ ہوں کہ تلسیؔ و کبیرؔ
سب کی کوشش سے زمانہ میں عیاں ہے اُردو

جس نشیمن کی ہو تعمیر بہ اندازِ فساد
اُس نشیمن کے لئے برقِ تپاں ہے اُردو

کیا مٹائے گا کوئی اس کو مٹانے والا
دل میں، آنکھوں میں، خیالوں میں نہاں ہے اُردو

اس کو قوموں کے تمدن نے کیا ہے پیدا
کون کہتا ہے کہ لشکر کی زباں ہے اُردو

جو دیا جاتا ہے ہر ملک کو ذوقِ فطری
بس اُسی ذوق کی تفسیر و بیاں ہے اُردو

اہلِ محفل تمہیں ماہرؔ کا سخن یاد رہے
ہمتیں اپنی جواں ہیں تو جواں ہے اُردو

سرودِ میکدہ

ابھی سے کس لئے آتش بجام ہے ساقی
یہ بزمِ خاص نہیں۔ بزمِ عام ہے ساقی
کچھ اور شوق کی بے تابیاں بڑھاتا جا
حیات صرف تڑپنے کا نام ہے ساقی
یہ جامِ مے ہے مری زندگی کا پیمانہ
اسی میں غرق مری صبح و شام ہے ساقی
ترے لبوں پہ تبسم ابھی نہیں آیا
نگاہِ مست ادھورا پیام ہے ساقی

جو ہو سکے تو ذرا اس کو نرم رو کردے
یہ زندگی جو بہت تیز گام ہے ساقی
درایں جہانِ ہوسناک طرحِ نو انداز
کہ عاشقی تو یہاں رسم عام ہے ساقی
یہ خود فروش طریقے، یہ خانہ ساز اصول
زمانہ مقتدیٔ بے امام ہے ساقی
ترے کرم سے ہوں مستی کی اُس بلندی پر
جہاں تصورِ ہستی حرام ہے ساقی
وہیں عقیدتِ ماؔھر بھی کارفرما ہے
جہاں جہاں بھی ترا انتظام ہے ساقی